شمع شبستان

تمہید

سات سال ہوئے کہ ہم نے شاعری کے ساتھ ناول نویسی کو بھی اختیار کیا تھا ہم اپنے قدردانوں کے شکر گذار ہیں۔ کہ انکی قدردانی کی بدولت ہمنے سَو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں لیکن گذشتہ تین چار سال سے ہمنے یہ دیکھا۔ کہ چند دشمن ملک اور رہزن عقل و ہوش کتب فروش نے بیعلم اور نافہم لونڈوں سے مخرب اخلاق ناول لکھا کر تبادلے کے گھمنڈ پر زہریلا لٹریچر ملک میں پھیلانا شروع کر دیا۔ یہ طوفان بدتمیزی دیکھکر ہمیں آگ لگ گئی۔ مگر ہم کیا کر سکتے تھے۔ وہی مثل تھی۔ قہر درویش برجان درویش۔

اس ملک پر چونکہ ادبار آیا ہوا ہے۔ اور نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے۔ اسلئے لوگ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ گراں بہ حکمت و ارزاں بہ علت۔ وہ آنکھوں پر پٹی باندھکر سستی شئے پر گرتے ہیں۔ اور ابجد خواں لڑکوں سے برائے نام قیمت پر بلکہ اکثر مفت کتابیں لیکر پبلک کو دھوکا دیتے ہیں پبلک کو دھوکا ہیکا۔ اپنے راہ میں کانٹے بوتے ہیں ہم آپکو یقین دلاتے ہیں کہ یہ مخرب اخلاق ناول بعینہ سنڈاس ہیں۔ کہ جنکو دیکھکر گھنشیان کی نوبت پہنچتی ہے۔ اور جنسے طرح طرح کی متعدی اخلاقی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کتب فروشوں کو کون سمجھائے۔ کہ خودغرضی کی پٹی آنکھوں سے نکھولو۔ کانوں سے خود مطلبی کی روئی نکالو اور انصاف کا خون نکرو۔ خرابی یہ ہے کہ لوگوں کو ناول خوانی کا جنون ہے جوش جنون میں مصنف کی قابلیت کی طرف کون نگاہ کرتا ہے۔ وہ تو گندہ ہو کر سڑا ہوا مال ہو اسی پر اسطرح گرتے ہیں۔ جیسے کئی دن کا بھوکا روٹی پر۔ یہ بات مخرب اخلاق کتب فروشوں کے لئے گویا لطیفۂ غیبی ہے۔ وہ لونڈوں کو یہ دھوکا دیتے ہیں۔ کہ آؤ تمہاری کتاب چھاپ دیں ہم بھی مصنف بن جائینگے۔ اس قسم کا جُل دیکر وہ گندے ناول لکھواتے

سستی بناتے ہیں۔ اللہ کی شان یہ کتب فروش یہ توقع رکھتے ہیں۔ کہ مصنف کو کاپی نویس سے بھی کم معاوضہ ملے۔ قابلیت کی داد تو درکنار معمولی قیمت دیتے ہوئے ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔ یہ طوفان بدتمیزی دیکھکر ہمارا دل برا ہوگیا۔ اور ہمنے ناول نویسی ترک کردی چنانچہ گذشتہ سال میں ہمنے کوئی کتاب نہ لکھی۔

ہم کیا کریں۔ ہمارے قدردان چین لینے نہیں دیتے۔ کئی ماہ سے متواتر خطوط آرہے ہیں۔ کہ آپنے کونسا ناول نیا لکھا ہے۔ اور کہاں چھپا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں تمہاری کتابوں میں خاص لطف آتا ہے۔ اب فرمایئے ہم کیا کریں۔ ہماری کتابوں کے پڑھنے والوں کی ایک خاص تعداد ہوگئی ہے۔ ان اصحاب کے تقاضے نے ہمیں مجبور کردیا ہے ہم ان کو مایوس کرنا نہیں چاہتے۔ اور مدت کے بعد یہ ناول اپنے فاضل دوست مولوی محبوب عالم اڈیٹر پیسہ اخبار کی بدولت پبلک میں پیش کرتے ہیں۔ ہماری کتابیں زیادہ تر مولوی صاحب موصوف نے ہی شائع کی ہیں۔ لیکن اب ہمنے دل میں عہد کرلیا ہے۔ کہ بہت کم اپنی کتاب کسی اور پبلشر کو دینگے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ہمنے ایک ناول **نالۂ شبگیر** لکھا تھا۔ وہ بھی مولوی صاحب کو دیا تھا لیکن کئی باعث ایسے ہوگئے جس سے وہ ابھی تک نہیں چھپا یقین ہے کہ اس کتاب کے ساتھ وہ بھی ہدیۂ ناظرین باتمکین ہوگا۔

ہم صاف گو ہیں۔ اسلئے اکثر دوست ہم سے ناراض رہتے ہیں کیا کریں ہمیں خوشامد سے عار ہے۔ لیکن راستی کو چھپانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ مولوی محبوب عالم صاحب کو ہمنے اس لئے منتخب کیا ہے۔ کہ وہ خود صاحب تصنیفات و تالیفات ہیں۔ اور اخباری دنیا میں انہوں نے ایک خاص ناموری محض اپنی مساعی جمیلہ سے حاصل کی ہے۔ ہم ان سے اس لئے خوش ہیں۔ کہ وہ مخرب اخلاق لوگوں سے جو لہو لگاکے شہیدوں میں ملتے ہیں اور گندے ناول لکھکر لاف مصنفی مارتے ہیں۔ بہت بھاگتے ہیں۔ اور جہاں تک ہمیں ادیہے انہوں نے اپنے کارخانہ میں کوئی ایسی قابل نفرت کتاب چھپنے نہیں دی۔

ہم ناول نویس ہیں۔ واعظ نہیں ہیں۔ اس لئے ہم نہیں بتاتے۔ کہ یہ ناول ہم نے

کس غرض سے لکھا ہے۔ ہمارا منصب یہ نہیں ہے کہ کھلے الفاظ میں نصیحت کریں
یہ اُن لوگوں کا کام ہے۔ جنکو ممبر پر کھڑے ہونیکا فخر حاصل ہے ہمارا یہ فرض ہے
کہ قصے کے پیرائے میں اصل بات جتادیں۔ ؎
قصۂ مطلب طویل و دفتر تقریر تنگ خود بخود کوئی سمجھ جائے کہ کیا کہنے کو ہیں
ہاں یہ ضرور یاد رکھئے کہ یہ ناول خاص مطلب کیلئے لکھا گیا ہے جسکو ارباب وطن اگر
ذرا بھی غور کرینگے۔ تو پا جائینگے۔

۲۹۔ نومبر ۱۹۰۲ء خاکسار احمد حسین خاں

باب اوّل

دریائے راوی کے کنارے پر ایک جھونپڑی میں ایک پیرزن بیٹھی ہوئی
اپنے بخت برگشتہ کو کوس رہی تھی۔ گرمی کا موسم ہے۔ ۹ بج چکے ہیں۔ اور چاروں طرف
وحشت اندھیر کر رہی ہے۔ اندھیر یہ ہے کہ کم بخت نے عیارۂ شب سے سازش کرکے چہرہ
پرداز جہاں کو دار دے بیہوشی سنگھا دیا ہے۔ اور عالم غفلت میں اسکو زنبیل مغرب میں
پنہاں کر دیا ہے۔ اس وقت سے دو گھنٹے پہلے دریائے راوی کے کنارے پر میلا
لگا ہوا تھا۔ شہر لاہور کے ہر قسم کے باشندے فقیر و امیر برنا و پیر جوق جوق آرہے
تھے۔ گاڑیوں۔ ٹمٹموں۔ اونٹوں فٹنوں اور بگھیوں کی کثرت سے تل دھرنے کو جگہ
باقی نہ تھی۔ بوڑھے جنکے بال برف کی سفیدی پر ادعا برسا رہے تھے۔ دریا کے کنارے
پر کھڑے ہوکر غروب ہونیوالے آفتاب کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے
تھے۔ اور سرد آہ بھر کر کہتے تھے۔ کہ اے زرد رو مسافر ہم بھی تیری طرح لب بام ہیں۔ ہاں

ہم بھی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ صاحب اقبال عہدہ دار بڑے ٹھسّے سے
اپنی اپنی سواری میں بیٹھے ہوئے ہوا خوری کر رہے تھے۔ اور نخوت کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ اُٹھا کر
سلام کا جواب تک دینا ناگوار تھا۔ صرف اشارۂ سر سے سلام لیتے تھے۔ اور دلیں یہ
سمجھے ہوئے تھے۔ کہ دُنیا خدا نے اُنہیں کے آرام کیلئے پیدا کی ہے۔ بیشک یہ لوگ فٹ
پر بیٹھکر فٹن کو اورنگ سلیمان سمجھے ہوئے تھے۔ مگر بربادی مُسکرا رہی تھی۔ اور دور
سے کھڑی ہوئی آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

ناز کیوں کرتے ہو اس دولت پہ حضور عارضی باغ ہیں کل دیکھنا ویراں ہونگے

رنگین مزاج جوان بادۂ شباب کے نشہ میں چور کنیزان گناہ کو گھور رہے تھے۔ سر پہ جوانی کا
جن سوار تھا۔ جوش شباب نے دیوانہ کر رکھا تھا کیفیت دُنیا میں سرشار۔ رعونت کے پھندے میں
گرفتار تھے۔ مگر انقلاب زمانہ انکی حالت پر خندہ رسا کرتا تھا اور یہ شعر زبان حال سے پڑھ رہا تھا

شجر خشک تو ہر ہوتے ہیں جا کر اے عمر جوانی کہیں تو آتی ہے

اس وقت سے دو گھنٹہ پہلے تو یہ حال تھا۔ مگر اب دو ہی گھنٹوں میں اس مقام کی کایا
پلٹ گئی ہے۔ تمام رونق کافور بنکر اُڑ چکی ہے۔ خاموشی نے ہر شے پر سکوت کی مہر
لگا دی ہے۔ دریا کا پُل ایک ہیبت ناک طلسم کا دروازہ معلوم ہو رہا ہے۔ رات کی
پرچھائیاں ڈائن بنکر کلیجہ نکالنے کے لئے مستعد کھڑی ہیں۔ اونچے اونچے پیڑ سیاہ
عفریت بنے ہوئے ہیں۔ گویا تیار ہیں۔ کہ پائیں۔ اور رنگکڑی کی طرح چبا جائیں۔ کسی
کسی وقت دریا میں سے کوئی دریائی جانور سر اُٹھاتا ہے۔ اور پھر غڑپ سے غوطہ لگا جاتا ہے
اس جانور کے غوطہ کی آواز یا ذخیرے سے اُلّو کی ہوک یا گیدڑ کی بھبکی اس وحشت
خیز اور حسرت انگیز نظارے کو اور بھی ہولناک اور بھیانک بنا دیتی ہے۔ مگر وہ
پیرزن جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ بیخوف وخطر اس سنسان جنگل میں اپنی
جھونپڑی کے اندر اسطرح بیٹھی ہے۔ کہ گویا گھاس پھوس کا انبار ایک عالیشان مکان
در یہ ویرانہ ایک آباد بستی ہے۔ اس عجوزہ کی عمر پچاس سال سے کم نہیں ہے۔ بڑھاپے
نے اُسکی جلد بدن کو موم تو کر دیا ہے۔ بال روئی کے گالوں کیطرح سفید اور براق ہیں۔ مگر

مُنہ کے دانت اور آنکھوں کی بصارت میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اس کے میلے کچیلے پھٹے اور پرانے کپڑے صاف کہہ رہے ہیں۔ کہ یہ کوئی فقیرنی ہے۔ اور اس کے جسم، صورت اور حالت سے ظاہر ہے۔ کہ دُنیاوی صدموں نے اُسکے دل کو پتھر کا ٹکڑہ بنا دیا ہے۔ جس پر خوف اور خطر ٹکریں مارتے ہیں، اور اپنا سر پھوڑ لیتے ہیں۔

اس جھونپڑی سے کچھ فاصلہ پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اور ایک کونے سے ایک کتا نکلکر دُم ہلاتا ہوا اس طرف دوڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک فقیر جسنے گلیم اوڑھی ہوئی تھی۔ نمودار ہوا۔ وفادار کتے نے جونہی اس فقیر کو دیکھا۔ اس کے قدموں پر لیٹ گیا۔ اور عالم مسرت میں فقیر کے پاؤں چاٹنے لگا۔ فقیر نے بجائے اس کے کہ اسکو پیار کرتا، دو چار دشنام ہائے مغلظ بے نقط سنائے، گودیں، اور ایک ٹھوکر نہایت زور سے اسکو لگائی۔ مگر اس سختی سے سگ وفادار کی محبت میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ وہ اسیطرح اُچھلتا کودتا اور فقیر کے قدموں سے مُنہ ملتا رہا۔ حتیٰ کہ دونوں اس جھونپڑی میں جہاں وہ عجوزہ بیٹھی تھی پہنچ گئے۔

بڑھیا: "قادر بخش ہے"

فقیر: "ہاں اماں"

بڑھیا: "آج تو تو نے بہت دیر کی"

فقیر: "ہاں آج دیر ہو گئی"

بڑھیا: "کیسے؟ خیر تو تھی"

فقیر: "آج نوابصاحب کے ہاں دعوت تھی۔"

بڑھیا: "کیسے نوابصاحب"

فقیر: "واہ کیا بھول گئیں"

بڑھیا: "بڑھاپے نے کسی کام کے قابل نہیں رکھا"

فقیر: "جن کے گھر سے ہر سال محرم کے دنوں میں پلاؤ بٹکتا ہے"

بڑھیا: "ہاں نواب ابراہیم"

فقیر: "دہی"

بڑھیا: "آج تو سرِ شام ہی کھانا ملجاتا تھا۔ آج کیوں دیر ہوئی"

فقیر: "پہلے بڑے بڑے آدمی کھاتے رہے جب وہ کھاکر چلے گئے۔ تو انکا پس خوردہ ہمکو دیا گیا"

بڑھیا: "نیاز بھی امیروں کو پہلے دیجاتی ہے"

فقیر: "بیشک"

بڑھیا: "یہ تو فقیروں اور محتاجوں اور مسکینوں کا حق ہوتا ہے"

فقیر: "کون اس بات کا خیال رکھتا ہے۔ وہ دن گئے جب ان باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا اب تو نذر اور نیاز دعوت کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ ہم کو کوئی اندر گھسنے نہیں دیتا۔ دھکے ملتے ہیں۔ گالیوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ تب کہیں جا کر بچا کھچا کھانا نصیب ہوتا ہے وہ لوگ جو ہر روز گھروں میں پلاؤ اور فیرنی چکھتے ہیں۔ بڑے تکلف سے دسترخوان پر بٹھائے جاتے ہیں۔ اچھی اچھی چیزیں اُنکے لئے چُنی جاتی ہیں۔ وہ کھاتے ہیں۔ اور ہم لوگ دروازے پر دربانوں کے پنجے میں گرفتار ہوتے ہیں"

بڑھیا: "اس نیاز سے کیا ثواب ہوتا ہوگا"

فقیر: "کیسا ثواب اور کہاں کا عذاب۔ اس دُنیا میں ہر ایک بات دھوکے کی ٹٹی ہے لوگ خدا سے بھی فریب کرنے میں نہیں ٹلتے"

بڑھیا: "پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر"

فقیر: "شکر کرو۔ جو دم خیریت سے گذر جائے۔ وہی غنیمت ہے ابھی آگے آگے دیکھنا کیا ہوتا ہے"

بڑھیا: "جو جیتا رہیگا وہ دیکھیگا۔ ہمیں خدا نہ دکھائے ہم تو جینے سے بیزار ہیں۔ خدا جانے ہماری چھٹی کہاں گم ہو گئی ہے۔ شاید موت کو میرا نام ہی بھول گیا ہے"

فقیر: "اے اماں کیا کہہ رہی ہو ابھی تو تم نہ مرو"

بڑھیا: "لے اور سُنو۔ اب میں جی کر کیا کرونگی"

فقیر: "تمہارے دم سے مجھے سو آرام ہیں"

بڑھیا:۔ "خاک آرام ہے۔ تیرے لئے میں وبال ہوں"
فقیر:۔ "اماجان یہ نہ کہو جسوقت تمام دن کی مشقت سے چور ہو کر میں یہاں آتا ہوں تو تم مجھے پیار کرتی ہو۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرتی ہو۔ اسوقت مجھے آرام آجاتا ہے۔ اور تمام دن کی تکلیف۔ گالیاں۔ دھکے۔ مارپیٹ جو میری قسمت میں لکھی ہوئی ہے۔ مجھے بھول جاتی ہے"
بڑھیا:۔ "تجھے دنیا بہت پیاری ہے افسوس ہے تجھپر قادر بخش اگر میں سمجھتی کہ تو مرنے سے اسقدر ڈرتا ہے۔ اور دنیا پر جان دیتا ہے تو تجھے اس جھونپڑی میں لیکر نہ آتی مجھے اپنے مرنیوالے خاوند کی نصیحت یاد ہے افسوس تونے اس مرحوم کی وصیت کو دل سے بُھلا دیا"
فقیر:۔ "کونسی وصیت"
بڑھیا:۔ "تو بھول گیا"
فقیر:۔ "ہاں بھول گیا"
بڑھیا:۔ "تو اسوقت بچہ تھا"
فقیر:۔ "بچہ کیوں تھا۔ مجھے سب ہوش ہے"
بڑھیا:۔ "اس وقت تیری عمر بارہ تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی"
فقیر:۔ "ہاں اتنی ہی تھی۔ مگر مجھے سب ہوش ہے"
بڑھیا:۔ "خاک ہوش تھی۔ باپ کی نصیحت ہی تجھے بھول گئی"
فقیر:۔ "خیال نہیں رہا۔ اور نہ کبھی تمنے ہی یاد دلائی"
بڑھیا:۔ "جسوقت تیرا باپ مرنے لگا بیس سال ہوئے تو اسنے مرتے وقت تجھے اور مجھے پاس بٹھالیا۔ اور کہا دیکھو اسوقت میں مرتا ہوں اور تمکو محتاج چھوڑتا ہوں مگر مجھے کچھ فکر تمہارا نہیں ہے کیونکہ میرا بھروسہ توکل پر ہے لیکن تمنے ایک کام کرنا شہر سے باہر کسی جھونپڑی میں جا رہنا اور شہر کے لوگوں سے کچھ تعلق نہ رکھنا دنیا کے لوگ عموماً خود مطلب ہیں۔ ایمانداری اور انصاف صرف دو لفظ ہیں جو کانوں کو بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں

لیکن دونوں باتیں اس دُنیا میں ڈھونڈے سے نہیں ملتیں۔ جو کچھ ہے وہ پیسہ ہے۔ مالدار اگر کتے کی طرح بھونکے۔ تو اُسکی آواز کو بلبل ہزار داستان کی آواز سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور مفلس اگر لحن داؤدی بھی رکھتا ہو تو اسمیں ضرور کچھ نہ کچھ نقص نکالتے ہیں خدا کی مار ان لوگوں پر صریحاً جانتے ہیں۔ کہ ایک شخص لیاقت خدا داد رکھتا ہے۔ مگر بغض اور تعصب اُنکو اندھا کر دیتا ہے۔ اور وہ مفلس کی لیاقت اور قابلیت میں سو سو کیڑے ڈالتے ہیں۔ تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے۔ تم دنیا میں کبھی سرسبز نہیں ہوگے۔ اسلئے میں تمکو کہتا ہوں۔ کہ ایسی خود مطلب، ناانصاف اور متعصب دُنیا سے پرہیز کرنا اور مانگ کر پیٹ بھر لینا۔ یہ کہکر اس نیک بندے نے تضا کی اور میں تجھے لیکر اس جھونپڑی میں چلی آئی۔ اس بات کو بیس سال ہوگئے تو مانگ کر لاتا ہے۔ اور ہم دونوں پیٹ بھر کر پڑے رہتے ہیں"۔

یہ کہکر اس بڑھیا نے ایک آہ کی۔ اور خاموش ہوگئی۔

اس بڑھیا کی تقریر سے وہ فقیر بھی اُداس ہوگیا۔ اور بڑی دیر تک سر جھکا کر بیٹھا رہا۔ اس وقت چاروں طرف سناٹا تھا۔ مگر وہ کتا برابر اِدھر اُدھر اُچھل کود رہا تھا۔ بار بار اُس فقیر کے گرد پھرتا تھا۔ اُسکے کپڑے سونگھتا تھا۔ چوں چوں کرتا تھا۔ اور اپنے آپے میں پھولا نہ سماتا تھا۔ قریب نصف گھنٹہ کے یہ بڑھیا اور اُسکا ناشاد بیٹا اسیطرح بیٹھے رہے۔ آدھے گھنٹے کے بعد فقیر نے سر اُٹھایا۔ اور جھولی میں سے شیرمال کے ٹکڑے اور پلاؤ جسمیں قورمہ ملا ہوا تھا نکالا۔ پہلے دونوں نے سیر ہو کر کھایا۔ باقیماندہ اُس کتے کے آگے جو اُسکا منہ غور سے تک رہا تھا۔ ڈالدیا۔ آتش معدہ کو فرو کر کے یہ دونوں کچھ فاصلہ پر خشک گھاس کے بستر پر لیٹ گئے۔ اور کہنے لگے۔ کل اللہ پھر مالک ہے۔

ہاں سچ ہے۔ اللہ مالک ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ ہمارا ہرگز اتفاق ان لوگوں سے نہیں ہے۔ جنکا مدار اپنی قابلیت اور بازو اور حسن انتظام پر ہے۔ ہم تائید ایزدی کے قائل اور توکل کے جاندادہ ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ اکثر نا اُمیدی میں غیب سے اسطرح امداد پہنچتی ہے۔ کہ بڑے بڑے فیلسوف مُنہ تکتے رہجاتے ہیں۔ اور بنا بنایا کام اسطرح بگڑ جاتا ہے کہ گویا کبھی بنا ہی نہ تھا۔ ہر شئے کا انصرام اور اہتمام خالق مطلق نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے

کوشش سے ہم منع نہیں کرتے۔ گو ہم جانتے ہیں۔ کہ بلا کوشش بھی جو بات ہونیوالی ہوتی ہے۔ ہو ہی جاتی ہے۔ کوشش کیجئے۔ مگر اپنی کوشش پر یقین کا جھنڈا نہ گاڑیئے جبتک تائید ایزدی نہ ہوگی۔ کوشش کبھی کارگر نہ ہوگی۔

اے میرے پیارے ناظرین اگر تم توکل کے قابل نہیں ہو تو میرے خیال میں تمہاری سمجھ میں ضرور فتور ہے۔ توکل پر بھروسہ کرو۔ توکل پر تکیہ کرو۔ وہ کارساز ہمارے کام کے فکر میں ہمیشہ رہتا ہے۔ وہ مسبب الاسباب غیب سے سامان بہم پہنچا دیتا ہے جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو غیب سے اسکے ساتھ دودھ بھی آجاتا ہے۔ جب انسان بڑا ہوتا ہے۔ تو اسکے لئے غیب سے رزق کے ذخیرے خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں

سینکڑوں کوس سے رزق اڑ کے چلا آتا ہے　　پر لگا دیتا ہے رزاق مراد آنے کو

ناداری اور مفلسی اور بیکسی پر مایوس ہونا اور خواہ مخواہ غم فردا میں جان گنوانا انسانیت سے بعید ہے۔ کل کو آنے دیجیے۔ جب کل آئیگی تو اپنے ساتھ کل خود بخود لیکر آئیگی۔ یہ بیکلی سراسر ضعف دل ہے۔

فقیر قادر بخش:۔ ایک کونے میں پڑا تھا۔ اور بڑھیا دوسرے کونے میں لیٹی تھی۔ کتا ایک ہڈی چبا رہا تھا۔ دفعتاً مغرب کیطرف سے بجلی کی چمک دکھائی دی۔ اور طرفۃ العین میں کالی آندھی نے اس جھونپڑی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جو لوگ جنگل کے رہنے والے ہیں۔ وہ بتا سکتے ہیں۔ کہ کالی آندھی جنگل اور بیابان میں کیا رنگ کرتی ہے۔ یہ میدان جہاں یہ جھونپڑی کھڑی تھی صحرائے عرب ہو گیا چاروں طرف ریت کے ڈھیر لگ گئے ندیا میں تلاطم ہونے لگا۔ درخت ہوا کی تند زوری سے ترچھے ہو کر ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے۔ گیدڑ غل مچانے لگے۔ کئی کمزور پیڑ جڑھ سے اکھڑ گئے۔ پرندوں کے گھونسلے گر پڑے اور بیچارے بے زبان جانور تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ اس وحشت خیز اور ہول انگیز آندھی میں قریب تھا۔ کہ جھونپڑی پرکاہ کی طرح اڑ جائے۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ اور پانی کے چھینٹوں نے گرد کو بٹھا دیا۔

بڑھیا:۔ آج گرمی معمول سے زیادہ تھی

فقیر قادر بخش "میں جانتا تھا کہ آج ضرور بارش ہوگی"

بڑھیا "اللہ الله کر بچے تجھے کیسے معلوم تھا"

فقیر قادر بخش "مجھے معلوم ہو جاتا ہے"

بڑھیا "وہ کیسے"

فقیر قادر بخش "میں غیب داں ہوں"

بڑھیا "نہیں دیوانہ نہ ہو جائیو"

فقیر قادر بخش "سچ سچ بتا دوں"

بڑھیا "اچھا اب جھونپڑی کی بھی عادت ہوگئی ہے"

فقیر قادر بخش "بات یہ ہے کہ جب گرمی زیادہ ہوتی ہے تو آندھی ضرور آتی ہے"

بڑھیا "تم تو بارش کی نسبت پیشین گوئی کر رہے تھے"

فقیر قادر بخش "مجھے اسطرح معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارا شیرا جس دن بارش ہونی ہوتی ہے جھونپڑی سے باہر نہیں نکلتا۔ ورنہ ہر روز باہر سوتا ہے"

ابھی ماں بیٹے میں یہ گفتگو ہو رہی تھی جبکہ موسلا دھار برس رہا تھا کہ ایک گراں ڈیل جوان سر اپنے قد پہ کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔ سر سے سیاہ چغہ میں اپنے اعضائے تن چھپائے ہوئے تھا پھر ایک ٹوکرا لئے ہوئے وہاں آیا۔ اس نوارد نے ٹوکرا جو اسنے سبز پتوں سے چھپایا ہوا تھا ایک طرف رکھ دیا۔ اور پاس آپ بیٹھ گیا۔ پھر اسنے بغل میں سے ایک فتیلہ نکالکر روشن کیا اس روشنی میں جھونپڑی کے رہنے والوں نے دیکھا۔ کہ یہ نووارد کوئی بارعب جوان ہے اسکے قد و قامت سے جوانمردی اور شجاعت کے آثار نمودار ہیں اس نووارد کے وہاں آتے ہی کتا زور سے بھونکا۔ اور اس کی طرف جھپٹا۔ مگر اسنے ایک لات اس زور سے اس کے سر پہ رسید کی کہ بیچارہ چیختا ہوا ایک کونے میں چلا گیا اس نووارد کی مردانہ وضع سے ماں بیٹے کے منہ پر مہر سکوت لگ گئی۔ اور وہ حسرت و استعجاب میں تصویر کی طرح اس کا منہ دیکھنے لگے چند سیکنڈ وہ نووارد خاموش بیٹھا رہا۔ اور پھر اسطرح گویا ہوا میرے خیال میں یہ جوان فقیر تمہارا بیٹا ہے میں تم دونوں کے سپرد یہ ٹوکرا کرتا ہوں۔ یہ میری امانت ہے۔ اگر میں

دس سال کے اندر واپس آیا تو اپنی امانت لیلونگا۔ اگر نہ آیا تو تم اسکے مالک ہو لیکن خبردار امانت میں خیانت نہ کرنا ورنہ ہم دونوں کو اسطرح قتل کر دونگا کہ مرغان ہوا اور ماہیان دریا تمہارے حال پر گریہ وزاری کرینگے۔ خبردار! خبردار! خبردار!!!" یہ کہکر وہ اجنبی جھونپڑی سے باہر چلا گیا۔ اسکے جانیکے بعد فقیر اور اسکی والدہ کی مہر سکوت ٹوٹی اور سب سے پہلے بڑھیا نے چلا کر کہا کہ ہم کسی کی امانت نہیں رکھتے۔ ہم دُنیادار نہیں ہیں۔ دُنیا ہماری قدر نہیں کرتی ہم دُنیاداروں کی پرواہ نہیں کرتے۔ اپنی امانت لیجاؤ۔ اور ہم فقیروں کو دق نکرو۔ ہر چند بڑھیا نے چلا چلا کر یہ فقرے کہے۔ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر اُسنے قادر بخش کو کہا۔ اُسنے بھی باہر جا کر ادھر اُدھر ڈھونڈا پتہ پتہ اس ذخیرے کا اُس فتیلہ کی امداد سے جو وہ نووارد وہاں چھوڑ گیا تھا چھان مارا مگر اس اجنبی کی صورت پھر نظر نہ آئی۔ ناچار فقیر اپنی جھونپڑی میں واپس آگیا۔"

بڑھیا: "کیوں ملا؟"

فقیر قادر بخش: "خدا جانے کدھر گیا؟"

بڑھیا: "ارے تو دیوانہ ہے کیسی بہکی باتیں کرتا ہے؟"

فقیر قادر بخش: "ابھی تک تو دیوانہ نہیں ہوا۔ مگر عنقریب ہو جاؤنگا۔"

بڑھیا: "وہ کیسے؟"

فقیر قادر بخش: "میرے خیال میں تو جاتی ہو کہ وہ آدمی یہاں آیا اور آیا بھی ایسے کہ گویا آسمان سے گر پڑا۔ اور پھر گیا اسطرح سے کہ جیسے چھلاوا تھا۔ دیکھوں تو یہی ٹوکرا یہی ہے۔ مگر وہ بھی غائب ہو گیا؟ ٹوکرا تو پڑا ہے یہ کیا ماجرا ہے! وہ انسان تو نہ تھا کوئی موکل تھا۔"

بڑھیا: "بس اب تو دیوانہ ہو گیا!"

فقیر قادر بخش: "نہیں ابھی تک نہیں ہوا۔"

بڑھیا: "وہ انسان نہ تو موکل تھا نہ چھلاوا تھا جیسے تم آدمی ہو ویسا ہی آدمی تھا تمہاری طرح دو ٹانگیں تھیں۔ دو ہاتھ تھے۔ ایک سر تھا۔ اور تمہاری طرح زبان سے باتیں کرتا تھا مجھے معلوم ہوا اگر تم بڑے شریر ہو تمنے اس مرنیوالے کی نصیحت کو فراموش کر دیا۔ اس ٹوکرے کو دیکھکر تمہارے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور تمنے جان بوجھکر اس اجنبی کا پیچھا

نہیں کیا لیکن یاد رکھو۔ پچھتاؤ گے۔ دُنیا میں گرفتار ہو کر کسی مصیبت میں ضرور پڑو گے۔ یہ کوئی فریب ہم سے ہوا ہے۔"

فقیر قادر بخش: "ہم سے کوئی فریب کرے گا کیا لیگا۔"

بڑھیا: "بس خبردار اس ٹوکرے کو ہاتھ نہ لگانا۔ جہاں وہ رکھ گیا ہے، وہیں پڑا رہنے دیں اس سے کچھ مطلب نہیں۔"

فقیر قادر بخش: "دیکھیں تو سہی اس میں کیا ہے۔"

بڑھیا: "جانے سماری بابا۔"

فقیر قادر بخش: "اے اماں دیکھنے میں کیا ہرج ہے۔"

بڑھیا: "لڑکے باپ کی نصیحت یاد کر۔"

فقیر قادر بخش: "اے اماں تمہارا تو سر پھر گیا ہے۔ ابا جان نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ٹوکرے کو ہاتھ نہ لگانا۔"

فقیر نے والدہ کی مرضی کے برخلاف اس ٹوکرے کے اوپر سے نیم کے سبز پتے ہٹانے شروع کیئے۔ اور دیکھا کہ سفید پشاوری ٹوکرے میں ایک خوبصورت لڑکی جسکی عمر نو دس مہینے سے زیادہ نہ تھی بیہوش پڑی ہے۔

باب سوم

صبح کاذب کے وقت جبکہ کہ چاندنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ قادربخش حسب معمول جھونپڑی سے نکلا۔ اور دریا کے غسل کو گیا۔ اگرچہ ابھی تک تڑکا نہیں ہوا تھا لیکن دریا پر کئی ہندو عورتیں ننگے پاؤں کھڑی تھیں اور اشنان و دھیان پوجا پاٹ میں مشغول تھیں قادربخش بھی ایک طرف جاکر نہانے لگا۔ آجکل دریا میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ اس کو لازم تھا کہ کنارے کے قریب کھڑا ہو کر نہاتا۔ مگر چونکہ اسکی قسمت میں کچھ اور لکھا ہوا تھا۔ کشتیوں کے پل پر سے ہو کر عین وسط دریا میں چلا گیا۔ اور کشتی کی زنجیر پکڑ کر غوطے لگانے لگا۔ پانی اسوقت اس زور میں تھا۔ کہ کشتیاں کانپ رہی تھیں۔ اتفاقیہ اس کے ہاتھ سے کشتی کی زنجیر چھوٹ گئی۔ اور یہ دریا میں گر پڑا۔ قادربخش ایک مشاق تیراک تھا۔ آسنے چاہا کہ تیر کر کنارے پر پہنچ جائے۔ مگر اسکے قریب ایک گھڑیال نے پانی سے سر نکالا۔ اور اسکو لیکر غائب ہو گیا۔ تمام میں اجالا ہو گیا۔ ستارے چھپ گئے۔ جانور اپنے اپنے نشیمن سے نکلکر رنگارنگ کی بولیاں بولنے لگے۔ عقیدتمند عورتیں نہا دھو کر اور دریا کا پانی لیکر اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ رفتہ رفتہ آفتاب سر پر چڑھ آیا۔ مگر قادربخش واپس جھونپڑی میں نہ آیا۔ مائی امیری نے بڑی دیر تک اپنے بیٹے کا انتظار کیا۔ آخر اکتا کر دریا کے کنارے پہنچ گئی۔ اور بلند آواز سے اسطرح پر اپنی خفگی کا اظہار کرنے لگی :-

"او قادربخش کیا مر گیا۔ اب تو ایسا ہو گیا ہے کہ جہاں جاتا ہے۔ وہیں بیٹھ رہتا ہے۔ او قادربخش او قادربخش نوج ایسی نالائق اولاد بھی کسی کے نہ ہو۔ یہ لڑکا ضرور دیوانہ ہو گیا ہے اسکی گردش کے دن آ گئے۔ یہ اب مجھسے سیر ہو گیا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ میں جلدی سے مر جاؤں مجھے دق کرنیکا مقصود ہے۔ میں تو چاہتی ہوں کہ آج مر جاؤں۔ جب موت ہی نہ آئے تو میں کیا کروں آگے ہی میں زندگی سے بیزار تھی۔ اور یہ میرے لئے اور مصیبت آ گئی۔ پوطرہ کی صبح سے پڑی رو رہی ہے۔ میں اس خیال میں تھی۔ کہ جلدی نہا دھو کر آئیگا۔ اور کہیں سے اسکے لئے دودھ مانگ کر

لائیگا۔ اب چلاؤں میں کیا کروں۔ ارے قادر بخش۔ او قادر تو کیا بہرا ہوگیا ہے۔
مائی امیری دریا کے کنارے پر کھڑی ہوئی چلا رہی تھی۔ اُسکی بے سر و پا گفتگو آسمان سنتا تھا زمین سنتی تھی دریا کی لہریں سنتی تھیں۔ ہوا سنتی تھی۔ ملّاح سنتے تھے اور مسافر جو پل پر سے گذر رہے تھے سنتے تھے مگر قادر بخش تک اسکی آواز نہ جاسکتی تھی بڑی دیر تک بڑھیا کھڑی چلاتی رہی۔ آخر جب چلاتے چلاتے اسکا گلا بیٹھ گیا۔ تو جھونپڑی میں واپس آئی اور اس عجیب و غریب گہوارے کے پاس جس میں وہ لڑکی پڑی تھی بیٹھ گئی۔ لڑکی جو علی الصباح بیدار ہوکر رونے لگی تھی شاید افیون کے اثر سے جو اسکو دی ہوئی تھی پھر بیہوش ہوگئی۔ اب جو وقت آفتاب کی روشنی میں مائی امیری نے اس چندے آفتاب چندے ماہتاب لڑکی کی شکل دیکھی تو اُسکے دل میں خود بخود محبت پیدا ہوگئی۔ اُس سے رہا نہ گیا۔ اُسنے شوق محبت کے گہوارے پر سے اس لڑکی کو اُٹھا کر چھاتی سے لگا لیا۔ جس وقت اسنے اس لڑکی کو اٹھایا۔ تو اسکے ساتھ اتفاقیہ گدیلا بھی آدھا آیا مگر پٹے کے نیچے ایک تھیلی دھری ہوئی تھی۔ عالم بے اختیاری میں اسنے تھیلی کو کھولا۔ اور اس میں سے سو اشرفیاں نکل آئیں۔ اسقدر دولت دیکھکر مائی امیری کی آنکھیں چندھیا گئیں کبھی وہ اشرفیوں کو دیکھتی تھی کبھی اس لڑکی کے چاند جیسے چہرے کی طرف دھیان ڈالتی تھی۔ اُسے ظاہر میں خدا کی قدرت دیکھیے اس بڑھیا کے دل میں لحظہ بلحظہ اس لڑکی کی محبت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ اور اسکا دل یہ چاہتا تھا کہ اُسکو پھر گود میں لٹالے۔ تھوڑی دیر کے بعد لڑکی نے پھر آنکھیں کھول دیں اور رونے لگی۔ اسپر اس بڑھیا نے اپنی چھاتی اسکے منھ میں دیدی۔ خدا کی شان دیکھئے دودھ جاری ہو گیا۔ اور جوش محبت سے پچاس سال کی بڑھیا کو دودھ اُتر آیا۔

اے حیرت پسند ناظرین یہ قدرت خداوندی عجیب و غریب ہے۔ تو ناامیدی کے بعد اُمید دلاتا ہے۔ تو پتھر [illegible] ہم سے چشم اور [illegible] کو دریا میں ڈال دیا۔ [illegible]

بستیاں آباد کردیں۔ تو نے ریتلی زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ ہاں اے میرے رزاق
تیرے دینے کے طریقے نرالے ہیں۔ بڑے کمبخت ہیں۔ وہ لوگ جو تیری شان کو دیکھتے
ہیں۔ اور پھر اس شان پر دل اور جان نثار نہیں کرتے ہیں ؎

آسیا کہتی ہے ہر صبح یہ آواز بلند — رزق سے پیٹ ہے رزاق دہن پتھر کا

اس وقت اس جھونپڑی میں اس بڑھیا کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ بڑھیا کے پاس ایک
پائی نہ تھی۔ ہاں اشرفیاں تھیں۔ مگر اشرفی وہ اس جنگل میں کسکو دیکر روپے لے سکتی
تھی۔ قادر بخش کو جھنگ نوالہ کو چکا تھا۔ اسوقت کوئی نہ تھا۔ کہ اس معصوم کے لیے بازار
سے جا کر بکری یا گائے کا دودھ لاتا۔ مگر خدا کو اسکی پرورش منظور تھی۔ غیب سے ضرور ہی
غیب سے سامان بہم پہنچ گیا۔ اور پچاس برس کی بڑھیا کو دودھ اتر آیا۔ دودھ پی کر
وہ لڑکی جس کے دماغ سے ابھی افیون کا اثر زائل نہ ہوا تھا پھر غافل ہو کر سو گئی۔ اسی
وقت مائی امیری نے اسکو پھر ٹوکرے میں تھل کے گدیلے پر ڈال دیا جھونپڑی کے دروازہ
پر کتے کو بٹھا دیا۔ اور خود قادر بخش کی تلاش میں شہر گئی۔ شہر کی گلی گلی بیچاری نے
چھان ماری۔ تکیوں میں گئی۔ فقیروں سے پتہ دریافت کیا۔ مگر عدم آباد کے رستے والوں
کا بھی کبھی عالم اجسام میں پتہ ملتا ہے؟ شام کو تھکا کے چور ہو گئی۔ اور لنگڑاتے لنگڑاتے
اپنی جھونپڑی میں آ کر زمین پر لیٹ گئی۔ اور اس معصوم بچی کا اسنے نام جوش محبت میں
پیاری بانو رکھا تھا۔ اپنی چھاتی پر ڈال لیا۔

قادر بخش کو غائب ہوئے دو دن گذر گئے ہفتہ گذر گیا۔ مہینہ گذر گیا۔ جب ایک ماہ انتظار
میں گذر گیا۔ اور قادر بخش نہ آیا۔ تو مائی امیری مایوس ہو گئی۔ اور ایک دن اپنے دل سے
اس طرح باتیں کرنے لگی۔ اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے۔ سب مطلب کے ساتھی
ہیں۔ قادر بخش تجھکو میں نے بڑی مصیبتوں سے پالا تھا۔ تیرے لئے میں نے اپنے اوپر آرام
حرام کر دیا۔ افسوس تو نے مجھ سے بے ایمانی کی۔ اے نادان لڑکے اپ میں کونسی جان
کی جہان تھی۔ بہت جی چاہتی تو دس سال اور رکتے۔ میری تجھے ایسی کونسی تکلیف تھی
کہ تو مجھے بڑھاپے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ہائے افسوس اگر میں دولتمند ہوتی۔ اگر میرے مرنے سے

تجھکو ورثہ ملنے کی اُمید ہوتی تو مجھے تو کبھی چھوڑ کر نہ جاتا (آنسو پونچھکر) اچھا بیٹے میرے
دل سے بددعا نہیں نکلیگی۔ جہاں رہے تندرست اور سلامت رہے (لڑکی کی طرف دیکھکر
تیرے بدلے خدا نے مجھے تو دیدی ہے۔ اے لڑکی کیا تو بھی بڑی ہو کر مجھ سے ایسا سلوک
کریگی جیسا تیرے بھائی نے کیا ہے۔ نہیں نہیں تو مجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جائیگی۔ لڑکیوں
کا دل نرم ہوتا ہے۔ بیٹیاں ہمیشہ ماؤں کی دردمند ہوتی ہیں۔ بیٹے جوان ہو کر آنکھیں
بدل لیتے ہیں۔ لیکن لڑکیاں اُنکو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتیں۔ اور ہمیشہ دُکھ سُکھ میں شریک
رہتی ہیں۔ میری بانو مجھے تو تو کہیں دُکھ نہ دیگی۔ ہاں مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔ ان ہاتھوں سے
مجھے روٹی پکاکر کھلانا۔ ان چھوٹے چھوٹے پاؤں سے چلکر مجھے پانی پلانا۔ کیوں بیٹی
پانی پلاؤگی؟ میرا سر دباؤگی؟ کہیں قادربخش کی طرح مجھے چھوڑ کر تو چلی نہیں جاؤگی؟"
جس وقت مائی امیری کی زبان سے یہ آخری الفاظ نکلے۔ تو پری بانو بسورنے لگی۔ اور
امیری جھٹ بول اُٹھی "نہیں نہیں تو مجھے چھوڑ کر نہیں جائیگی۔ تو مجھے پیار کریگی۔
تو ضعیفی میں میری خدمت کریگی۔ تو بڑی اچھی بچی ہے" یہ سُنکر اتفاقیہ جیسا کہ چھوٹے
بچوں کا دستور ہے۔ کبھی بسورنے لگتے ہیں۔ اور کبھی مسکرانے لگتے ہیں۔ پری بانو
گھیا سا مُنہ کھولکر ہنسنے لگی۔ اس ننھی سی جان کو ہنستا دیکھکر مائی امیری کے کلیجہ میں ٹھنڈک
پڑگئی۔

قادربخش کو غائب ہوئے چار ماہ ہو گئے۔ ہر چند کہ بڑھیا اسیطرح جھونپڑی میں رہتی تھی
اسی طرح بھیک مانگ کر اپنا پیٹ پالتی تھی۔ مگر اسکے دل میں ایک قسم کی بے چینی
سی تھی۔ اور وہ بے چینی ان اشرفیوں کی وجہ سے تھی۔ جو ہر وقت اس بڑھیا کی کمر سے بندھی
رہتی تھیں۔ اور جنکی نسبت اُسنے عہد کر لیا تھا۔ کہ انکو کبھی علیحدہ نکرونگی جسوقت پری بانو
کی شادی ہوگی۔ اس وقت اسکا جہیز ان اشرفیوں سے بناؤنگی۔ دیکھئے ناظرین۔ یہ
وہی بڑھیا تھی۔ جو ناداری کے عالم میں پاؤں پھیلا کر اس جھونپڑی میں سوتی تھی
جسکی جھونپڑی کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ جسکو نہ چور کا ڈر نہ رہزن کا کھٹکا
تھا۔ اپنی مرضی کی مالک تھی۔ اور جب چاہتی تھی۔ سو جاتی تھی۔ جب دل میں آتا تھا۔ اُٹھ

بیٹھتی تھی۔ اب ننوا اشرفی کی مالک ہو کر اسکی نیند اوچاٹ ہو گئی۔ اگر ذرا سی آہٹ ہوتی تھی۔ تو گھبرا کر اٹھ بیٹھتی تھی۔ اور سہم جاتی تھی۔ یہ سچ ہے۔ زر جہاں میں ستار عیوب اور قاضی الحاجات ہے ہم مانتے ہیں۔ کہ زر نہ ہو تو انسان بدتر از خس و خاشاک ہے لیکن یہ بھی ہم ضرور کہینگے۔ کہ یہ زر تمام مصیبتوں کی جان اور طرح طرح کے اندیشوں کی کان ہے یہ جسوقت آتا ہے۔ تو اطمینان قلبی ضرور دور ہو جاتا ہے۔ ہر وقت طرح طرح کے فکر گلے کا ہار ہو جاتے ہیں کبھی اسکے ہاتھ سے جانے کا الم کبھی رہزن کا خطرہ۔ کبھی قزاق کا اندیشہ کبھی راس المال کا خیال کبھی ہرجانہ کا ملال۔ غرض روپے کی بدولت کمخواب کا بستر کانٹوں کی توشک ہو جاتی ہے۔ مائی امیری کی جان عذاب میں آگئی۔ نیند حرام ہو گئی۔ آخر کار اُسنے خاوند کی وصیت کو بالائے طاق رکھا۔ جھونپڑی کو چھوڑ دیا۔ اور اپنے وفادار کتے اور پری بانو کو لیکر شہر میں جا رہی۔

باب سوم

دہلی دروازہ نواب محمدؐ ابراہیم کے اصطبل میں آٹھ آنہ ماہوار پر ایک کوٹھری مائی امیری نے لے رکھی تھی۔ اس کوٹھری میں دو چار پایاں مشکل سے بچھتی تھیں مگر اس بڑھیا کی ضرورتوں سے یہ تنگ اور تاریک کوٹھری بڑھکر تھی۔ اس مکان میں مائی میری کو آئے چھ ماہ ہو گئے۔ اور ایک ماہ کا کرایہ بھی ادا نہ ہوا۔ یہ بیچاری بڑی مشکل سے بھیک مانگ کر آتش شکم کو سرد کرتی تھی۔ بھلا اس میں کرایہ ادا کرنے کی توفیق کہاں تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ امیری اس کوٹھری کے دروازہ میں بیٹھی ہوئی پری بانو کو لوری سنا رہی تھی۔ کہ نواب صاحب کا داروغہ وہاں آیا۔ اور ایسی آواز میں جو بلا مبالغہ رعد کی گرج کے برابر تھی۔ کڑک کر بولا۔

داروغہ "او بڑھیا تیرا نام امیری ہے"

امیری "ہاں حضور"

داروغہ:۔ "لا چھ ماہ کا کرایہ پہنے ہاتھ دیدے"
امیری:۔ "داروغہ جی کرایہ دیدونگی"
داروغہ:۔ "کب دیگی"
امیری:۔ "جس وقت ہوگا"
داروغہ:۔ "او چھنال خدا جانے تیرے پاس کب ہوگا"
امیری:۔ "حضور گالیاں دیتے ہو؟"
داروغہ:۔ "او شیطان کی خالہ خدا تیرا منہ کرے کالا۔ آخر کب دیگی"
امیری:۔ "(رو کر) خدا کرے بیکس بھی کوئی نہو"
داروغہ:۔ "لو اور سنو۔ اب ٹسوے بہا کر ہمیں ڈراتی ہے"
امیری:۔ "میں بیچاری کسی کو کیا ڈراؤنگی"
داروغہ:۔ "بس بس زبان کو لگام دے۔ اور تین روپیہ ماہ کا کرایہ جلدی ادا کر ورنہ خرابی ہوگی"
امیری:۔ "(رو کر) داروغہ صاحب خدا کیلئے ذرا صبر کیجئے۔ میں کہیں بھاگی نہیں جاتی کرایہ ضرور دونگی۔ اپنی جان بیچونگی۔ اور کرایہ کہیں نہ کہیں سے لا دونگی"
داروغہ:۔ "یہ بھرتے کسی اور کو دے"
امیری:۔ "آپ ایک دن کی مجھے مہلت دیجئے"
داروغہ:۔ "اگر کل اس وقت کرایہ نہ دیا۔ تو نکالی جائیگی"
امیری:۔ "جو خدا کو منظور"
داروغہ:۔ "میں کوئی عذر نہیں سنونگا"
امیری:۔ "اچھا"
داروغہ:۔ "میں مشہور سخت گیر ہوں۔ مجھسے رحم کی توقع نہ رکھنا۔ یہ کہکر داروغہ صاحب تشریف لے گئے۔ جب رات ہوگئی۔ تو تمام لوگ جو اصطبل میں تھے سو گئے۔ کوچبان سو گئے۔ سائیس سو گئے۔ گھسیارے سو گئے۔ گھوڑے اور مویشی سو گئے۔ گرمائی

امیری کو نیند نہ آئی - بار بار یہ دکھیاری آسمان کیطرف دیکھتی تھی - اور خدا سے دُعا مانگتی تھی کہ یا باری تعالےٰ غیب سے کوئی صورت بھیج - جو اس کوٹھری کا کرایہ ادا کردے اور مجھے یہ اشرفیاں جو پری بانو کا جہیز ہیں - صرف کرنے کی ضرورت نہو ہم نے مصیبت کی رات کا تجربہ کیا ہوا ہے - در و دیوار سے ڈر لگتا ہے - اگر کوئی بولے تو جان عذاب میں آجاتی ہے - اگر خاموش رہے تو کلیجہ مُنہ کو آتا ہے - اُسوقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شے جسم کے ہر رگ و ریشہ سے روح کھینچ رہی ہے - انسان بار بار آسمان کی طرف دیکھتا ہے - کروٹیں بدلتا ہے - گھڑیاں گنتا ہے - کبھی اُٹھتا ہے - کبھی لیٹ جاتا ہے - کبھی پھر اُٹھکر ٹہلنے لگتا ہے - اور کسی وقت دق ہوکر ہائے ہائے کرتا ہے - الٰہی شب غم کی بیقراری یہ شب غم کی آہ و زاری - دشمن کو بھی نصیب نہ ہو - خداوندا موت دیدے - اور وہ تکلیف نہ دکھا - وہ چارپائی سے اُٹھکر زمین پر ماہی بے آب کیطرح لوٹنا - وہ بیکسی کے عالم میں غرفہ میں بیٹھکر سنتری سے پوچھنا - کہ اب کتنی رات گئی ہے - وہ گھر سے بے گھر ہوکر دُکان کے تختوں پر پڑا رہنا وہ سیماب وار بیقرار ہوکر آدھی رات کے وقت قبرستان اور مرگھٹ کی جانب نکل جانا - وہ بار بار گھڑی دیکھنا - ہم نے دیکھا اور سُنا ہوا ہے - خداوندا اب ہمیں یہ روسیاہ رات نہ دکھائیو - ہاں ہمارے دشمن کو بھی نہ دکھائیو "

مائی امیری وہ تمام رات تارے گنتی رہی - آخر سوچ سوچ کر اُسکی سمجھ میں ایک بات آئی - اور ڈھارس بندھ گئی - علی الصباح جب پہلوان اکھاڑوں کی طرف اور مچھیرے جال لیکر دریاؤں کی طرف گئے - تو اس اصطبل کے رہنے والے آنکھیں ملتے ہوئے نیند سے جاگے - کوچبان جاگے - خدمتگار جاگے - خاکروب جاگے - سب چھوٹے بڑے جاگے - مگر مائی امیری نہ سوئی نہ جاگی - جب آٹھ بجے تو یہ بیکس عورت پری بانو کو گود میں لیکر نواب محمد ابراہیم کے محلسرائے کی ڈیوڑھی پر پہنچی - اور محلسرائے میں جانے کا قصد کیا - سب سے پہلے ایک بڑا قدآور خونخوار بُل ڈاگ (لوبی کتا) اس ضعیفہ کی طرف اسطرح جھپٹا - جیسے بلی چوہے کو دیکھکر جھپٹتی ہے - ضعیفہ مارے ڈر کے زمین پر

گر پڑی اور رونے لگی۔ نواب صاحب کے دربان اور خدمتگار ڈیوڑھی پر موجود تھے اس بڑھیا کو اس مصیبت میں دیکھکر دیوار قہقہہ بن گئے۔ مارے ہنسی کے زمین پہ لوٹ رہے تھے۔ مگر اتنی توفیق نہ تھی۔ کہ اس بیکس کو کتے سے بچائیں۔

دربان: "یہ تو یہاں کیوں آئی"

امیری: "خدا کے واسطے اس کتے کو روکو"

دربان: "یہ تو اسکا شکار ہے۔ ہم کتے کے منہ سے نوالہ کیوں چھینیں"

امیری: "خدا سے ڈرو۔ رحم کرو۔ بیکسوں کو نہ ستاؤ"

خدمتگار: "یہ کتا آدم خوار ہے۔ ہر روز ایک بڑھیا کی کلیجی نوش جان کرتا ہے"

امیری زمین پر پڑی تھی۔ اور پری بانو کو چھاتی سے لگائے ہوئے تھی۔ پری بانو چلا چلا کر رو رہی تھی۔ اور بوبی کتا بڑھیا کو سونگھ رہا تھا۔ اور زمین پر پنجے مار رہا تھا کہ پیچھے سے ایک کالا کتا دوڑتا ہوا آیا۔ اور بوبی کتے سے لڑنے لگا۔ یہ شیرا تھا۔ جو مائی امیری کو ڈھونڈھتا ہوا ادھر آنکلا۔ اور اپنی مالکہ کو اس عذاب میں دیکھکر نوابصاحب کے کتے سے لڑنے لگا۔ دربانوں کو یہ تاب کہاں تھی کہ ایک اجنبی کتے کو محل سرا کے اندر دیکھیں۔ لاٹھیاں لیکر ہر طرف سے نکل آئے۔ اور بے زبان شیرا کو سخت بیرحمی سے مارا۔ وفادار کتا مار کھاتا مگر بوبی کتے سے برابر لڑے جاتا تھا۔ اتنے میں نواب صاحب شور و غل سنکر باہر نکل آئے۔ اور بڑھیا کو اس ہیئت کذائی میں دیکھکر دربان کو ڈانٹا۔

نواب: "یہ مائی تو کون ہے"

امیری: "حضور بیگم صاحبہ کے سلام کو آئی تھی۔ آپکے خدمتگاروں نے یہ گت بنائی۔ یہ دیکھئے میری کمر میں سخت چوٹ آئی ہے"

نواب: "یہ پاجی سخت نمکحرام ہیں۔ جاؤ مائی اندر جاؤ"

امیری: "حضور کی خضر کی عمر ہو۔ حضور پوتوں اور پڑپوتوں کا منہ دکھلائیں"

نواب صاحب کا آنا مائی امیری کے لئے لطیفۂ غیبی ہوا۔ اگر ابھی اسکے لئے

اور مصیبت کا سامنا تھا۔ جب محل سرائے میں پہنچی۔ تو امائیں۔ مغلانیاں۔ اصیلین مہریاں پنجہ جھاڑ کے اُسکے پیچھے پڑ گئیں"

مغلانی: "ارے یہ بلا کہاں سے آگئی"

مہری: "تمنے نہیں پہچانا یہ ڈلہ ہے"

ماما: "اے ہاں شیطان کی خالہ ہے"

انا: "عاقبت کا توشہ بنوانے آئی ہے"

ددا: "مائی تم کون ہو۔ کیسے آنا ہوا"

امیری: "حضور بیگم صاحبہ کے سلام کو آئی ہوں"

ددا: "کچھ کام بھی کہو۔ کیسے آنا ہوا"

امیری: "ہم اُنکی رعیت ہیں اُنکے اصطبل میں رہتے ہیں"

ددا: "تم یہیں بیٹھو۔ بیگم صاحبہ یہیں آجاتی ہیں"

امیری دُعائیں دیکر بیٹھگئی۔ مگر مہریاں اور مامائیں برابر اُسے ہنسی میں اُڑائے جاتی تھیں اور آسے پھبتیاں سُنا رہی تھیں۔ یہ بیکس عورت بڑی دیر تک بیٹھی رہی کبھی مایوس ہو جاتی تھی۔ اور کبھی خیالی اُمید پر شیخ چلی کی طرح طرح طرح کے منصوبے پیدا کرتی تھی۔ بارے پورے دو گھنٹہ کے بعد بیگم صاحبہ تشریف لائیں۔ بیگم صاحبہ کیساتھ اُن کا بڑا بیٹا یوسف تھا جسکی عمر اس وقت پانچ چھہ سال کے قریب تھی جونہیں اس لڑکے نے پری بانو کو دیکھا۔ دوڑ کر اسکو امیری کی گود سے لے لیا۔ اور کہنے لگا۔

یوسف: "اماں جان دیکھو کیا پیاری لگتی ہے"

بیگم: "ہیں ہیں یہ کیا کرتا ہے کپڑوں میں جوئیں چڑھ جائینگی"

یوسف: "بڑی پیاری لگتی ہے"

بیگم: "یوسف تو بڑا شوخ ہو گیا۔ آج مولوی صاحب کو کہلا بھیجونگی"

یوسف نے یہ دھمکی سُنکر عالم مجبوری میں پری بانو کو امیری کے حوالہ کر دیا۔ مگر اسکو دیتے وقت بیگم کی آنکھ بچا کر اسکی پیشانی چوم لی۔ اللہ کی شان اس چھوٹی سی عمر

میں پری یا نور جس وقت یوسف نے اسکی پیشانی کو بوسہ دیا ۔ ہنسنے لگی ؛
اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں بیگم کا حلیہ ہدیۂ ناظرین کیا جائے
اوّل تو نام ملاحظہ ہو۔ شاہجہاں بیگم یہ مردانہ نام جیسا کانوں کو معلوم ہوتا ہے اسکا فیصلہ
ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

بیگم صاحبہ کی عمر تیس سال سے کچھ اوپر تھی - نواب صاحب کی دوسری بیوی تھیں رنگ
توے سے زیادہ کالا تھا ۔ اور اسپر چیچک کے داغ اور بھی ستم ڈھا رہے تھے قد میانہ تھا
دانت باہر نکلے ہوئے تھے ۔ اور بالوں کا سفید سفید رنگ چہرے کے بھونڈے پن کو اور بھی
دوبالا کر رہا تھا ۔ مگر خوش قسمتی رنگ اور روپ کی شیدا نہیں ہے ۔ ہمنے دیکھا ہے کہ حور شمائل
ٹکڑوں کو محتاج ہیں ۔ اور کریہ منظر عورتیں جنکے ہاتھ سے کچا بیر لینے کو جی نہیں چاہتا شہزادیاں
بنی بیٹھی ہیں ۔ اور سونے میں پیلی ہو رہی ہیں ۔ بیگم صاحبہ پر بعینہ یہ مثل صادق آتی تھی - کہ
شکل چڑیل کی مزاج پریوں کا ۔ انتہا کی مغرور ۔ شتر کینہ اور بد دماغ تھی ! اور اسپر طرہ یہ کہ نواب
صاحب پر حاوی تھی جسوقت نواب صاحب کے پاس بیٹھتی تھیں ۔ تو یہ معلوم ہوتا تھا ۔ کہ چاند کو گرہن
لگ گیا ۔ ہمکو بیگم صاحبہ کی بدصورتی پر تعجب نہیں ہے ۔ دنیا میں ہر قسم کی صورتیں خدا نے
پیدا کی ہیں ۔ حیرت ہے تو اس بات کی کہ شاہ جہاں بیگم جیسی بدشکل اور بھونڈی
عورت کے پیٹ سے یوسف جیسا ماہ مثال اور خورشید جمال بیٹا کیسے پیدا ہوا ۔ اے
خداوند تعالیٰ تیرے کارخانے واقعی عجیب و غریب ہیں ! اور تیری باتیں ہماری سمجھ میں مطلق
نہیں آتیں ۔ ؎ خرد تا بدو برنہ تابد ترا + کہ تاب خرد در نیابد ترا ؛

بیگم :۔ یہ کہو مائی کیا مطلب ہے ؛

بڑھیا :۔ حضور کے سلام کے لئے آئی ہوں ؛

بیگم :۔ یہ لڑکی کون ہے ؟"

بڑھیا :۔ میری بیٹی ہے ؛

بیگم :۔ تم بھی جھوٹ بولتی ہے"

بڑھیا :۔ اے حضور نواسی اور بیٹی برابر ہی ہوتی ہے ؛

بیگم :- "یہ تیری بیٹی کہاں ہے"

بڑھیا :- "خدا کے گھر"

بیگم :- "پھر کیا مطلب ہے"

بڑھیا :- "ہم حضور کی رعیت ہیں"

بیگم :- "میں نہیں سمجھی"

بڑھیا :- "میں حضور کی کرایہ دار ہوں"

بیگم :- "سینکڑوں ہیں۔ پھر میں کیا کروں"

بڑھیا :- "میں محتاج ہوں۔ کرایہ نہیں دیسکتی"

بیگم :- "لو اور سنو۔ اری چوٹّی مردار پھر میں کیا کروں۔ مکان چھوڑ دے"

بڑھیا :- "اب کہاں ماری ماری پھروں۔ میرے حال پر رحم کیجئے"

بیگم :- "یہ میرا دماغ چاٹ جائیگی"

بڑھیا :- "حضور مائی باپ ہیں۔ آپ کے اپنا دکھڑا ——"

بیگم :- "ناک بھوں چڑھا کر مجھکو ایسی باتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں"

مغلانی :- "دیوانی ہوئی ہے۔ بڑھیا اگر تجھے کرایہ معاف کردیں۔ تو پھر ہر ایک یہاں دوڑ آئیگا۔ اور یہی کہیگا۔ کہ ہمیں بھی بخشدو"

بیگم :- "بیشک"

بڑھیا :- "تمہاری دعا گو ہوں۔ مجھ میں توفیق نہیں"

بیگم :- "کوئی ہے دور کرو اسکو میرے سامنے سے اسنے تو کتے کا مغز کھایا ہوا ہے"

بڑھیا :- "آپ خفا نہ ہوں۔ میں چلی جاتی ہوں"

بیگم :- "تو تو سر پر شہ ہوگئی ہے۔ وہاں بھی ہوتی ہے کہ بلاؤں کیسکو"

بڑھیا :- "میں بڑی امید سے آئی تھی اب مایوس ہی جاؤں"

مغلانی :- "جا مائی ناحق فضیحتی ہوگی"

بڑھیا نے چاہا کہ کچھ اور بولے کہ بیگم صاحبہ نے خدمتگارنیوں کو اشارہ کیا۔ وہ آگے ہی منتظر تھیں

بیچاری کے گلے کا ہار ہوگئیں۔ ایک نے ہنستے ہنستے بیچاری کے سر پہ پانی کا لوٹا اُلٹ دیا۔ اور اُسکے تمام کپڑے تر کردیئے۔ دوسری نے چپکے سے توے کی سیاہی ہاتھ پہ ملکر بیچاری امیری کا مُنہ کالا کردیا۔ تیسری جو اُٹھی۔ تو اُسنے قینچی سے مائی امیری کے بالوں کی ایک لٹ کترلی۔ اور کہا کہ یہ میں تبرک کے طور پہ اپنے پاس رکھونگی۔ چوتھی نے جو بڑی اُچھال چکا تھی۔ اس عاجزہ کی گال میں سوئی چبھودی۔ اور بھاگ گئی۔ مگر اسکو غریب کے ہاتھوں پہ بدلہ ملگیا۔ بھاگتے ہوئے پاؤں جو پھسلا۔ تو مُنہ کے بل گری۔ اور سامنے کے دانت ٹوٹ گئے۔ عمر بھر کے لئے بدشکل ہوگئی۔ مُنہ میں کمڑی کی بنگئی۔ اور اس ضرب شدید کے صدمہ سے غش کا عالم طاری ہوگیا۔ اس خادمہ کا یہ حال دیکھکر تمام ہنسی اور دل لگی کافور ہوگئی۔ اتفاق سے یہ خادمہ بیگم صاحبہ کی مُنہ لگی ہوئی تھی۔ جب اسکو سخت چوٹ آئی۔ تو بیگم کی آتش خشم اور بھی بھڑک اُٹھی۔ اور کسی پہ کچھ بس نہ چلا۔ جوتی لیکر مائی امیری کو مارنے دوڑیں۔ اور کہنے لگیں کہ نہ یہ منحوس اس مکان میں آتی نہ اسقدر خرابی ہوتی۔ امیری گئی تھی۔ کرایہ معاف کرانے۔ کرایہ تو معاف نہ ہوا اُلٹی یہ گت بنی۔ آخر با دل بریاں اور چشم گریاں نوابصاحب کی حویلی سے باہر نکلی۔ اسوقت اسکی حالت بزبان حال سے یہ شعر پڑھ رہی تھی ؎

کوہ غم ٹوٹا ہوا ہے خاطر ناشاد پہ
نالے پہ نالہ ہے اور فریاد ہے فریاد پہ

باب چہارم

نواب صاحب کے مکان سے پھر تو اماں سے امیری اصطبل میں واپس آئی۔
اور آتے ہی پری بانو کو چھاتی سے لگا کر رونے لگی۔ اس وقت یہ ذلت نصیب
روتی جاتی تھی۔ اور اپنے بخت برگشتہ کی شکایت اس طرح پر کر رہی تھی "اے
پری بانو میں ان لوگوں کی شکل دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ میں ان کی دولت پر
تھوکتی بھی نہ تھی۔ میں ان کے مکانوں اور ان کی حویلیوں پر راکھ کا ٹھیکرہ
بھی نہ ڈالتی تھی۔ مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا۔ کہ یہ دنیادار غریب اور محتاج کو گوبر کے
کیڑے سے بدتر سمجھتے ہیں۔ کسی کا دل توڑ دینا۔ کسی کو رلانا۔ کسی کو ستانا۔ کسی کی
آنکھوں میں لال مرچیں جھونک دینا۔ کسی کے زخموں پر چھڑکنا۔ انکے بائیں ہاتھ کا
کرتب ہے۔ مجھے ان لوگوں میں رہنا کب منظور تھا۔ اے لڑکی یہ سب ذلت مجھے
تیری خاطر نصیب ہو رہی ہے۔ جو کچھ میرا حال ہو رہا ہے تیری بدولت ہو رہا ہے۔ اگر
تو نہ آتی۔ تو مجھے کیا ضرورت تھی۔ کہ یہ مکان کرایہ پر لیتی۔ میرے لئے تو وہ جھونپڑی ہزار
حویلیوں اور کروڑ مکانوں سے بہتر تھی۔ سچ ہے کہ اولاد ہمارا سر نیچا کرتی ہے۔ یہی
ہم سے منت اور خوشامد کراتی ہے۔ اور یہی ہمکو وہاں لے جاتی ہے۔ جہاں جانا
ہمارے لئے موت ہوتا ہے"

بڑی دیر تک امیری اس طرح بدبخت واڑوں کی شکایت کرتی اور روتی رہی
جب روتے روتے تھک گئی۔ تو زمین پر لیٹ گئی۔ اس وقت یہاں اس بیکس
عورت کا کوئی مونس یا غمگسار نہ تھا۔ کوئی سوا اس تنگ اور تاریک کوٹھری کی دیواروں
کے نہ تھا۔ کہ اسکو تسلی دیتا۔ البتہ کبھی کبھی وقت پری بانو سر اٹھا اسکی طرف دیکھتی تھی
اور مسکرانے لگتی تھی۔ ہاں وفادار کتا شیرا بھی بڑھیا کے ساتھ ساتھ یہاں بیٹھا ہوا
موجود تھا۔ اور عقل حیوانی سے تو وہ سمجھ جاتا تھا کہ اسکی مالکہ غم سے بیقرار ہے۔ مگر

بیزار ہے۔ اے دو ٹانگوں والے حیوان جسکو عرف میں انسان کہتے ہیں۔ بے زبان کتے کو دیکھ اور شرم کر۔ یہ حیوان جسکو نجس العین کہتے ہیں۔ بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھاتا ہے۔ مار کھاتا ہے۔ گالیاں سنتا ہے۔ اور اپنے مالک کا ساتھ نہیں چھوڑتا یہ اس شخص سے جو اشرف المخلوقات میں سے ہے۔ لیکن پرلے درجہ کا احسان فراموش۔ خود غرض۔ اپنے مطلب کا بندہ۔ شتر کینہ۔ بد باطن۔ اور مصیبت سے کنارہ کشی کرنے والا ہے۔ کروڑ درجہ بہتر ہے۔

تمام دن مائی امیری داروغہ کے ڈر سے بیقرار رہی۔ جب چار بجے تو بیچاری نے زمین پر لیٹ کر گدڑی اوڑھ لی۔ اور بیمار بن بیٹھی۔ ساڑھے چار بجے داروغہ صاحب ہاتھ میں ہنٹر لئے ہوئے آموجود ہوئے۔

داروغہ: "امیری۔ امیری۔ کیا مر گئی ہے یا بہری ہو گئی ہے"

امیری: "ح۔ ح۔ حضور۔ حض"

داروغہ: "کیا ہوا تجھے"

امیری: "ب۔ ب۔ بخ۔ بخار"

داروغہ: "معقول"

کوچبان: "بخار ہو گیا ہے بیچاری کو"

داروغہ: "جھوٹی تپاشن"

کوچبان: "کانپ رہی ہے"

داروغہ: "(ہاتھ لگا کر) ٹھنڈا بخار ہے"

کوچبان: "بدن تو ٹھنڈا ہے"

داروغہ: "لاؤ کرایہ"

امیری: "ذرا ہوش آئے تو پہنچا دونگی"

داروغہ: "(تھپڑ رسید کر کے) بدذات نکل باہر"

امیری: "ہائے میں مر گئی"

داروغہ:- لیجاؤ اٹھا کر اسکو ہسپتال اگر مرگئی ہے ۔

امیری:- ہائے ہائے ۔

داروغہ:- جلدی کر جلدی کر ۔ ہمیں فرصت نہیں ہے ۔

امیری:- میرے پاس تو کچھ نہیں ہے ۔

داروغہ:- بلاؤ تو آدمیوں کو اسکی تلاشی لیں جاوے جو کچھ ہوں چھین لیں ۔

یہ حکم سنکر امیری کانپ گئی ۔ اسکی کمر میں اشرفیاں بندھی تھیں ۔ اگر اس کی تلاشی اس وقت لیجاتی تو پردہ فاش ہو جاتا ۔ اور اشرفیاں یا تو داروغہ یا پولیس ہضم کر جاتی ۔ اس لئے یہ ایک نئی چال چلی ۔ قاعدہ ہے کہ جب انتہا کا خطرہ ہوتا ہے تو بالکل عقل ماری جاتی ہے ۔ اور اوسان خطا ہو جاتے ہیں ۔ یا غیر معمولی عقل پیدا ہو جاتی ہے ۔ جب اس نے دیکھا کہ داروغہ تلاشی لینے پر آمادہ ہے ۔ تو کڑک کر بولی ۔

امیری:- سنو داروغہ جی میں کرایہ دار ہوں کوئی تمہاری لونڈی نہیں ہوں ۔ اگر مجھے کسی نے ہاتھ لگایا ۔ تو اپنی اور اسکی جان ایک کر دونگی ۔

داروغہ:- اب یہ رنگ لائی گلہری ۔

امیری:- واہ یہ بھی کوئی سکھا شاہی ہے ۔ خبردار جو زبان درازی کی یا مجھے ہاتھ لگایا کمپنی بہادر کا راج ہے یہاں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں ۔ کوئی کسی کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ۔

داروغہ:- پھر تو کرایہ کیوں نہیں دیتی ۔

امیری:- دیدونگی جب وقت ہوگا ۔ چلو دور ہو ۔ اور مجھے نہ ستاؤ ۔

داروغہ:- اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ۔

امیری:- میں یہ باتیں نہیں جانتی ۔ اگر مجھے دق کروگے ۔ تو ابھی دہائی دیکر تمام شہر اکٹھا کر لونگی ۔

داروغہ:- (حیران ہو کر گیا) یہ دیوانی ہوگئی ہے ۔

امیری:- تم نے دل میں سمجھا کیا ہے ؟

داروغہ :- "تو ہمارا مکان خالی کردے"
امیری :- "لو سنبھالو اپنا مکان - میں اسکو آگ بھی نہیں لگاتی - آتے ہیں بڑے مکان والے جبکہ مکانوں کو گرتے بھی دیر نہیں لگا کرتی"
یہ کہکر امیری نے پری بانو کو گود میں اٹھالیا - اور مکان سے باہر نکل گئی - اسکے باہر نکلتے ہی داروغہ نے اسکی گدڑی اور مٹی کے برتن باہر پھینک دیئے - ایک پیالہ تھا - ایک رکابی تھی - ایک گھڑا تھا - تینوں پھٹ پھٹ کوٹھری کے باہر جا پڑے - اور چکنا چور ہو گئے -
امیری کو اشرفیوں کا فکر تھا - اسنے آؤ دیکھا نہ تاؤ - فوراً اصطبل سے نکلی اور سیدھا پیپل (پیڑ) کا رخ - اور وہاں جاکر آموں کے درختوں کے نیچے پری بانو کو گود میں لیکر بیٹھ گئی - شیرا کتا بھی سایہ کی طرح ساتھ گیا - ابھی اسے آئے پانچ منٹ بھی نہ ہوئے تھے - کہ ایک درویش لباس درویشانہ دربر اور کلاہ قلندرانہ برسر اسی جگہ نمودار ہوا - اور اس عورت کو خاموش بیٹھا ہوا دیکھکر وہاں ٹھہر گیا -
امیری :- "سائیں داتا جاؤ اپنا رستہ لو - میں آپ تم سے بدتر محتاج ہوں"
درویش :- "او نادان ہم سوالی نہیں ہیں"
امیری :- "معاف کیجئے - میں اسوقت دیوانی ہو رہی ہوں"
درویش :- "کچھ مضائقہ نہیں ہے"
اس وقت کتا شیرا جو بڑی دیر سے غرا رہا تھا - درویش کی طرف آیا - درویش نے بہ نظر غور کتے کو دیکھا - پھر امیری کو دیکھا - پھر پری بانو کو دیکھا اور سر ہلانے لگا -
امیری :- "آپ حیران کیوں ہو گئے؟"
درویش :- "تیرا کیا نام ہے"
امیری :- "میرے نام سے آپکو کیا کام"
درویش :- "تیرا بیٹا کہاں گیا"

امیری: "یہ تو قادر بخش ہے؟ نہیں نہیں تو قادر بخش نہیں ہے۔ تیرا قد لمبا ہے۔ وہ اس قدر اونچا نہ تھا۔ تیرا رنگ انگارے کی طرح سرخ ہے۔ ڈاڑھی بہت چھوٹی تھی۔ تیرے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تو کوئی حاکم ہے۔ اور میرا قادر بخش تو غریب اور مسکین تھا۔ تو قادر بخش نہیں ہے۔ ہاں اب سمجھی۔ شاید تو قادر بخش کا دوست ہے۔ بھائی سچ سچ بتا قادر راضی خوشی تو ہے"

درویش: "مائی میں قادر بخش نہیں ہوں۔ اور نہ اسکا دوست ہوں۔ بلکہ تیری زبانی اسکا نام سنا ہے"

امیری: "میں ضرور دیوانی ہوجاؤنگی"

درویش: "پہلے تو دریا کے کنارے جھونپڑی میں رہتی تھی۔ اب خانہ بدوش ہے یہ کیا معاملہ ہے"

امیری: "اس لڑکی نے مجھے دربدر خاک بسر کر دیا"

درویش: "یہ تیری کیا لگتی ہے"

امیری: "یہ میری کچھ نہیں لگتی۔ اور سب کچھ بھی لگتی ہے۔ درویش نے پھر دوبارہ غور سے پری بانو کی صورت دیکھی۔ اور اسکو گود میں اٹھا لیا"

درویش: "آجکل تو نہایت خستہ حال ہے۔ کیوں نہیں مکان لے کر شہر میں رہتی"

امیری: "کرایہ کہاں سے لاؤں۔ میں محتاج ہوں"

درویش: "معلوم ہوتا ہے۔ تیرا بیٹا کوئی بدچلن تھا۔ اور اشرفیاں لیکر کہیں غائب ہو گیا"

اشرفیوں کا ذکر سنکر امیری کا رنگ زرد ہو گیا۔ وہ اٹھکر درویش کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اور اسکا دامن پکڑ لیا۔

امیری: "بابا تو کوئی ولی ہے یا پری بانو کا ابا ہے۔ اگر ولی ہے تو خدا کیواسطے میرے حال پر رحم کر۔ اور میرے بیٹے کا کچھ پتہ بتا دے"

درویش: "مائی میں ولی نہیں ہوں۔ میں تو ایک دنیا دار ہوں"

امیری :- "پھر تو پری بانو کا ابا ضرور ہے"

درویش :- "کہ تو کس طرح کہتی ہے"

امیری :- "تو پری بانو کو لینے آیا ہے"۔

درویش :- "مائی کون پری بانو"

امیری :- "خدا کے واسطے اب مجھ سے یہ لڑکی نہ لے۔ کہ دیکھ تیری اشرفیاں برابر میرے پاس امانت رکھی ہیں۔ ان میں سے میں نے ایک بھی اپنے اوپر صرف نہیں کی۔ اور نہ کرونگی۔ در بدر کے دھکے کھاؤنگی۔ فاقے اٹھاؤنگی۔ مگر پری بانو کا جہیز نہ ہلاؤنگی۔ اگر تیری مرضی ہو تو یہ اشرفیاں لیجا۔ اور اسکو میرے پاس رہنے دے۔ تھا ور بھی کہیں چلا گیا ہے۔ اب میں اکیلی ہوں۔ میری زندگی اس لڑکی سے ہے۔ اگر یہ نہ میرے پاس رہیگی۔ تو خدا جانے میرا کیا حال ہو گا"

یہ کہکر امیری درویش کے قدموں پر گر پڑی۔

باب پنجم

ہمارے ناظرین شاہ جہاں بیگم کے مزاج۔ طبیعت اور شکل صورت سے بخوبی آگاہ ہو گئے ہیں۔ امیری کے ذلیل اور بیعزت ہو کر یہاں سے جانے کے بعد اتفاق سے بیگم صاحبہ کو حرارت سی ہو گئی۔ پنڈا اچپکا ہو گیا۔ بخار کے آثار نمودار ہوتے ہی ایس گھر میں کھلبلی پچ گئی۔

مغلانی :- "آج صبح میری بائیں آنکھ پھڑکتی تھی"

مہری :- "صبح کیوقت جسوقت میری آنکھ کھلی تھی۔ تو بیٹے کو منڈیر پر بیٹھا ہوا دیکھا تھا"

مغلانی:۔ "کیا کیا جائے"
ماما:۔ "پنڈت کے پاس جاؤں"
انا:۔ "یا حضرت عباس بیگم صاحبہ کو آرام ——— "
استانی:۔ "گھبرائی کیوں جاتی ہو۔ خدا کا فضل ہے"
مغلانی:۔ "استانی جی! تم بھی حد کرتی ہو۔ بھلا گھبرائیں نا تو اور کیا کریں۔ ہماری تو زندگی بیگم صاحبہ سے ہے۔ خدا انکو سلامت رکھے۔ اور خضر کی عمر ہو"
استانی:۔ "فضلِ الٰہی ہے"
دوا:۔ "ایک گھنٹہ بھر کے بخار سے کیا ننھا سا چہرہ نکل آیا ہے"
مغلانی:۔ "حضور میں صدقے۔ نوابصاحب کو خبر کروں"
بیگم:۔ "ہاں بلاؤ انکو"
مغلانی دوڑی ہوئی دیوان خانہ میں گئی۔ آگے نوابصاحب اپنے مصاحبین میں بیٹھے ہوئے حرف و حکایات میں مصروف تھے۔ اور عجب قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔
نوابصاحب:۔ "داروغہ جی!"
داروغہ:۔ "حضور!"
نوابصاحب:۔ "کہو کوئی ماسٹر ڈھونڈا"
داروغہ:۔ "ہاں سرکار ملگیا"
نوابصاحب:۔ "تنخواہ کا فیصلہ کرلیا"
داروغہ:۔ "کرلیا سرکار"
نوابصاحب:۔ "دن رات یہیں رہنا ہوگا"
داروغہ:۔ "ہاں حضور سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ چالیس روپیہ ماہوار۔ روٹی کپڑا۔ آخر کس بات کا دیا جائیگا"
نوابصاحب:۔ "اچھا پڑھا لکھا ہے"

داروغہ: "خداوند ایف۔ اے ہے"

نوابصاحب: "مرد آدمی ہمنے تو بی۔ اے کہا تھا"

داروغہ: "حضور ایف۔ اے تو بی۔ اے سے بڑھکر ہوتا ہے"

نوابصاحب: "معقول"

داروغہ: "پھر حضور نہ مانیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے"

نوابصاحب: "ابے بولا گیا ہے کیا"

داروغہ: "خداوند یہ تو سیدھی بات ہے سب سے چھوٹا اے اے اس سے بڑا بی۔ اے۔ اس سے بڑا ایم اے۔ اور سب سے بڑا درجہ علم کا ایف۔ اے۔ اب حضور نہ مانیں۔ تو میں کیا کروں"

نوابصاحب: "کوئی ہے"

۱: "خداوند"

۲: "حضور"

۳: "سرکار"

۴: "حاضر"

نوابصاحب: "اسکو بھیجا و چڑیا خانہ میں"

داروغہ: "غلام سے ایسا کیا قصور ہوا ہے۔ کہ چڑیا خانہ بھیجا جانے لگا ہے"

نوابصاحب: "تو اسی قابل ہے"

داروغہ: "میں تو اپنے خیال میں انسان ہوں"

نوابصاحب: "جو تجھے انسان سمجھے اسکی ایسی تیسی۔ خدا جانے کہیں کا"

داروغہ: "بہت اچھا"

نوابصاحب: "تو انسان ہے؟"

داروغہ: "نہیں خداوند بھالو (ریچھ) ہوں"

نوابصاحب: "کوئی بی۔ اے تلاش کرو۔ مگر پچاس روپیہ ماہوار ملتے رہیں گے تو کہیں دوں گا"

لیموں نچوڑ:۔ "اگر جان کی اماں پاؤں۔ تو کچھ عرض کردوں"
نوابصاحب:۔ "کہو کیا کہتے ہو"
لیموں نچوڑ:۔ "ماسٹر کیا ہوگا"
نوابصاحب:۔ "تم داروغہ سے بڑھکر گھامڑ ہو"
لیموں نچوڑ:۔ "بجا ارشاد ہوا"
نوابصاحب:۔ "کئی بار کہہ چکا ہوں۔ یوسف اور یعقوب کی تعلیم و تربیت کیلئے اتالیق درکار ہے"
مصاحب:۔ "انگریزی پڑھائی جائیگی"
نوابصاحب:۔ "کیوں کچھ گناہ ہے"
مصاحب:۔ "اب میں کیسے کہوں"
نوابصاحب:۔ "اگر گناہ ہے۔ تو بتانا چاہئے"
مصاحب:۔ "حضور شرعاً جائز نہیں ہے"
نوابصاحب:۔ "تمہارا سرگیمین کہیں کا کبھی نماز بھی پڑھی ہے"
مصاحب:۔ "حضور، حضور ———— کیا مجال ————"
نوابصاحب:۔ "بکو مت جی کہاں لکھا ہے کہ انگریزی پڑھنی جائز نہیں ہے"
مصاحب:۔ "لے حضور پھر ————"
نوابصاحب:۔ "ہم نہیں سنتے جی۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے۔ کہ انگریزی پڑھنی جائز نہیں ہے"
مصاحب:۔ "قرآن میں لکھا ہے"
نوابصاحب:۔ "استغفر اللہ کوئی ہے"
مصاحب:۔ "دیکھ لیں حضور"
نوابصاحب:۔ "کوئی ہے"
داروغہ:۔ "خداوند"

۱: "سرکار"

۲: "حضور"

نوابصاحب: "قرآن شریف لاؤ"

نوابصاحب کے حکم کی دیر تھی۔ فوراً ملا کا قرآن شریف کمخواب کے جزدان میں گنگا جمنی رحل پر رکھا ہوا آیا۔

داروغہ: "قرآن شریف حضور نے مانگا تھا"

نوابصاحب: "یہ جو مولوی صاحب کی دُم بنے بیٹھے ہیں۔ انکو دو۔ اچھا صاحب دکھاؤ کہاں لکھا ہے"

مصاحب: "حضور، حضور ———"

نوابصاحب: "ہم کوئی بات نہیں سنیگے۔ جی بس دکھادو کہاں لکھا ہے"

مصاحب: "ورق اُلٹ کر جسمیں سے پڑھا تھا۔ وہ اور چھاپے کا تھا"

نوابصاحب: "یہ درست ہے۔ وہ نولکشور کے چھاپے کا تھا۔ یہ مصطفائی چھاپے کا ہے۔ کیوں صاحب یہی بات ہے"

مصاحب: "حضور کو گویا القا ہوا"

نوابصاحب: "کوئی ہے"

داروغہ: "خداوند" "جناب"

لیموں نچوڑ: "غریب پرور"

نوابصاحب: "دوگدا اس پاجی کو یہ ہماری مجلس کے لائق نہیں ہے"

لیموں نچوڑ: "واقعی کشتنی سوختنی۔ گردن زدنی ہے"

نوابصاحب: "اس لائق کہ اسکو جوتے مار کر شہر بدر کردیا جائے"

داروغہ: "پھانسی دینے کے قابل ہے"

۱: "دار پر کھینچنے کے لائق ہے"

۲: "زندہ درگور کردینے کے مستحق ہے"

۳: "کیوں نہ تنور میں ڈالدیا جائے۔"

ابھی بیچارے مصاحب کے لئے سزا تجویز ہو رہی تھی۔ کہ مغلانی گھبرائی ہوئی آئی۔

مغلانی: "حضور بیگم صاحبہ نے یاد کیا ہے۔"

نوابصاحب: "(گھبرا کر) کیوں خیر ہے۔"

مغلانی: "جی ہاں جلدی بلایا ہے۔"

نوابصاحب: "آخر کچھ کام بھی ہے۔"

مغلانی: "اے حضور انکا تو بہت برا حال ہے۔"

نوابصاحب: "ہیں۔"

مغلانی: "چلکر دیکھ لیجئے۔"

نوابصاحب: "اس مردود کی بددعا کا اثر ہے۔ چھوڑ دو۔ اسکو ہمنے اسکا قصور معاف کر دیا۔ لیکن آئندہ کبھی بے تکی بات نہ کرنا۔"

لیموں نچوڑ: "کم بخت تو نہیں جانتا۔ کہ یہ شیروانی دربار ہے۔"

مصاحب: "خوب جانتا ہوں۔"

نوابصاحب گھبرائے ہوئے زنان خانہ میں گئے۔ اس اثنائے میں بیگم صاحبہ کا بخار کسیقدر تیز ہو گیا تھا۔ مگر معمولی بخار تھا۔ خدانخواستہ تپ محرقہ نہ تھا۔ کہ کسی قسم کا اندیشہ ہوتا جسوقت بیگم صاحبہ کے کمرے میں نوابصاحب پہنچے تو دیکھا کہ چارپائی کے گرد لونڈیاں۔ باندیاں حلقہ زن ہیں۔ کوئی ناد علی پڑھکر دم کر رہی ہے۔ کوئی دعا گنج العرش بازو پر لپیٹ رہی ہے۔ کوئی قرآن شریف کی ہوا دے رہی ہے۔ کوئی سیاہ ماتھے پر توے کی سیاہی نوپ رہی ہے۔ کوئی امام ضامن کا روپیہ باندھ رہی ہے کوئی منتیں مان رہی ہے۔ کوئی کہتی ہے۔ کہ اگر بیگم صاحبہ کا بخار آج ہی اتر جلئے تو حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر گھی کے چراغ جلادیگی۔ کوئی ننگے سر دعائیں مانگ رہی ہے کہ اجمیر شریف جاؤنگی۔ یہ حال دیکھکر نوابصاحب گھبرا گئے۔ اور سمجھے۔ یا تو سکتہ ہو گیا ہے۔ یا کوئی رگ سر کی پھٹ گئی ہے۔ دیوانہ وار چارپائی کے قریب پہنچے اور جاتے ہی

بلا گرداں ہونے لگے۔

نوابصاحب: "کیوں خیر ہے۔ (نبض دیکھکر) فضل الہٰی ہے"

بیگم: "(نہایت کمزور آواز سے) سر پھٹا جاتا ہے۔ اور بند بند میں درد ہے۔"

نوابصاحب: "معمولی بخار سے تمنے تو ڈرا دیا"

بیگم: "ہائے ملے، سخت گھبراہٹ ہے"

مغلانی: "حضور اس بڑھیا کی نظر لگ گئی"

مہری: "میرا بھی یہی حال ہے"

مغلانی: "کیوں آتو جی"

استانی: "ممکن ہے"

مغلانی: "بار بار بیگم صاحبہ کی صورت دیکھتی تھی۔ وہ تو حیران سی ہو گئی تھی"

مہری: "ہماری بیگم صاحبہ چندے آفتاب چندے مہتاب ہیں کیا کسی سے کم ہیں"

بیگم صاحبہ دل میں جانتی تھیں۔ کہ انکا رنگ رو کش آبنوس ہے۔ اور نقش نگار دیوالی کے کھلونوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی انکے حسن و جمال کی تعریف کرتا تھا۔ تو جھیپ جاتی تھیں۔ اور ہمیشہ بات کو ٹال کر کہا کرتی تھیں کہ کوئی اور ذکر کرو۔

مغلانی: "میں صدقہ (چٹ چٹ بلائیں لیکر) اب کیا حال ہے"

استانی: "مغلانی سر پر صندل گھسکر لگادو"

مغلانی نے فوراً تعمیل کی۔ جس وقت اس آبنوسی ماتھے پر صندل لگا تو شاہجہاں بیگم کی شکل سے ڈر آنے لگا۔

نواب: "بخار ہو کیسے گیا؟"

استانی: "اے حضور میں بتاتی ہوں"

نواب: "کہو کیا بات ہے"

استانی: "چشم بد دور بیگم صاحبہ ہیں تو ابھی کم سن ہی۔ کیا ہوا جو تین بچوں کی ماں

ہو گئی ہیں"

نواب: "مختصر بات کرو"

اُستانی: "(ہنسکر) وہ آئی تھی"

نواب: "آخر کار اسکا کچھ نام بھی ہے۔ مجھے علم غیب تو ہونے سے رہا"

اُستانی: "ہوں۔ہوں۔ہوں ——"

نواب: "یہ ہنسی کا کونسا موقعہ ہے"

بیگم: "خبردار"

نواب: "بتاؤ۔ضرور بتاؤ"

اُستانی: "اب میں کس کا حکم مانوں"

نواب: "یہی بات تو اچھی نہیں۔اگر خدانخواستہ بیگم زیادہ بیمار ہوگئیں۔تو پھر کیا ہوگا"

اُستانی: "اب تو میں ضرور بتاؤنگی۔چاہے سرکار مجھسے خفا ہی ہو جائیں۔ اے حضور وہ آئی تھی بڑھیا۔بھلا سا نام بتایا تھا"

نواب: "وہ جو ہمارے اصطبل میں رہتی ہے۔تم کہو کیسے آئی تھی"

اُستانی: "آئی تھی کرایہ معاف کرانے۔مہری نے کچھ ہنسی کی۔شاید اسی نے بددعا دی ہوگی"

نواب: "بس یہی بات ہے۔اب ہماری سمجھ میں آگئی۔داروغہ کو بلاؤ"

داروغہ: "حضور میں پردے کے پیچھے کھڑا ہوں"

نواب: "دیکھو داروغہ ابھی جاؤ۔اور اس بڑھیا کو کہدو۔کہ ایک کوٹھری ہمیشہ کے لئے اسے اصطبل میں بخشدی۔ابھی جاؤ۔اور اسکو اطلاع دیدو"

~~~~~~~~
~~~~~~~~
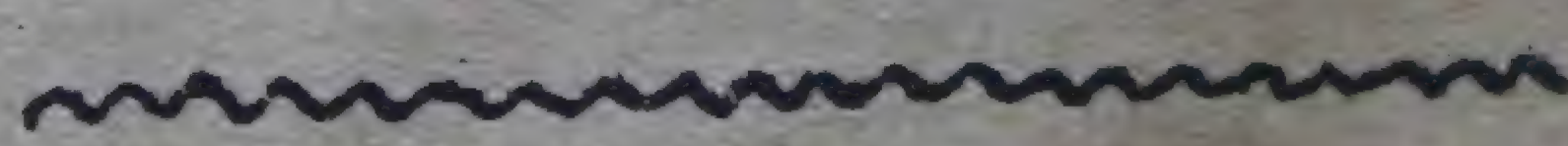
باب ششم

اسوقت پریڈہین آم کے درخت کے تلے عجیب نظارہ نظر آرہا تھا۔ ایک دراز قامت درویش جسکی آنکھیں سیاہ اور عقاب کی آنکھوں جیسی تھیں جس کے دانت ہیروں کیطرح شفاف اور جس کا رنگ شنگرف کی طرح سُرخ تھا۔ ایک ڈیڑھ سال کی لڑکی کو گود میں لئے کھڑا تھا۔ اور اُسکے پانوں پہ ایک پچاس سال کی بُڑھیا نے سر رکھا ہوا تھا۔ اور زار و قطار رو رہی تھی ''

درویش:۔ ''مائی سر اُٹھا اور مجھے گنہگار نہ بنا''

امیری:۔ ''اب پری بانو مجھے قادر بخش سے زیادہ پیاری ہے۔ اگر یہ مجھسے جُدا ہوئی تو پھر میں زندہ نہیں رہونگی''

درویش:۔ ''کیا تجھے اس لڑکی سے بڑی محبت ہے''

امیری:۔ ''میری زندگی اس لڑکی سے ہے۔ میں اس کے لئے زندہ ہوں۔ ورنہ اس کمبخت دُنیا کو میں مدت سے چھوڑ بیٹھی تھی''

درویش:۔ ''ہاں یہ سچ ہے کہ یہ دُنیا ایک خار دار جھاڑی ہے۔ میں بھی تیری طرح اس دُنیا سے بیزار رہا''

دُنیا ہیچ است مال دُنیا ہیچ۔

درویش:۔ ''تیرا خیال غلط ہے میں اس لڑکی کو تجھ سے لینے نہیں آیا''

امیری:۔ (خوش ہوکر) ''خدا تیرا بھلا کرے''

درویش:۔ ''میں نے توکل پہ بھروسہ کرکے اسے تیرے حوالہ کر دیا ہے۔ اب تو جان اور تیرا کام۔ ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را ۔۔۔ تو دانی حساب کم و بیش را

امیری:۔ ''میں اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتی ہوں''

امیری: یہ یہ اشرفیاں موجود ہیں۔ انکو لیجاؤ۔ انہوں نے میرا دم ناک میں کر رکھا ہے۔

درویش: اگر بیٹے یہ اشرفیاں تجھ سے لینی ہوتیں۔ تو پہلے کیوں دیتا۔

امیری: میرے یہ کس کام ہیں۔

درویش: تو نے شاید نہیں سنا کہ روپیہ بڑی طاقت ہے۔ یہ عیوب کے چھپانیوالا اور مطلب کے بر لانیوالا ہے۔ ایک وقت ایسا آئیگا۔ کہ تجھے اسکی ضرورت ہوگی۔

امیری: مجھے اسکی ضرورت کبھی نہ ہوگی۔

درویش: مائی تو زبردستی کرتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تو ہر وقت تندرست رہیگی۔ تیری طاقت اسیطرح قایم رہیگی۔ تو اسیطرح چلتی پھرتی رہیگی۔

امیری: یہ سچ ہے۔ مگر میری تو یہی دعا ہے۔ کہ خدا اب مجھے چلتا پھرتا لیجائے۔

درویش: اے نادان بڑھیا ہماری دعائیں بہت کم قبول ہوتی ہیں۔ اگر ہمیں یہ یقین ہو کہ ہماری دعا ضرور قبول ہو جائیگی۔ تو ہم در بدر خراب نہ ہوں۔ اگر میری دعا قبول ہو جاتی تو آج یہ لڑکی اس طرح بیکسی کے عالم تیرے حوالہ نہ کی جاتی اور اس کا والد کبھی کلیجہ پہ پتھر نہ رکھتا۔ ؎

نا کامی لٹے کہتے ہیں اہل جہاں جسے
انگشتری وہ میرے ہی دست دعا کی ہے

امیری: ان کی حفاظت عذاب ہے۔

درویش: دنیا میں ہم عذاب سہنے کیلئے آئے ہیں۔ جہاں روز تکلیفیں اٹھائی ہوں ایک یہ بھی سہی۔ میری طرف دیکھ کر میری وضع قلندرانہ ہے۔ جگت بھینی اور درد گوش جنگل اور بیابان میں اوقات بسر کرتا ہوں۔ لیکن اس حالت کے لئے تیار ہوں۔ کہ جب روپے کے بغیر وقت گذر سکتا ہے۔

امیری: مجھے تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی۔

درویش: میں تجھے بتاتا ہوں دیکھ۔

یہ کہکر درویش نے اپنی کمر کو کھولا۔ کمر بند میں سے ایک چمڑے کی تھیلی نکالی اور اس تھیلی کو جب زمین پر الٹ دیا۔ تو بڑھیا کی آنکھیں چوندھیا گئیں۔ اور اسنے

دیکھا موتیوں اور پتھروں کا ڈھیر لگ گیا ہے۔

امیری: "میں نے دیکھ لئے۔"

درویش: "یہ جواہرات میرے لئے اس وقت سنگ ریزوں سے بدتر ہیں لیکن ممکن ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آجائے۔ کہ میں چلنے پھرنے سے عاجز ہو جاؤں مجھے بیماری صاحب فراش کردے۔ اس وقت یہ شیشوں کے ٹکڑے میرے کام آئینگے۔ اور لوگوں کے آگے مجھے ہاتھ پھیلانا نہ پڑیگا۔ مجھے یقین ہے کہ اب تو میرا مطلب سمجھ گئی ہوگی۔"

امیری: "سمجھ گئی۔"

درویش: "اب یہ بتا کہ یہ شام اور تو اس بیابان میں کھڑی ہے۔"

امیری: "کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔"

درویش: "تو نے جھونپڑی کیوں چھوڑ دی۔"

امیری: "جب سے میرے پاس یہ اشرفیاں آئی ہیں۔ میرا آرام کہیں اُڑ گیا ہے جھونپڑی میں تمام رات نیند نہیں آتی تھی۔ اور ہر وقت یہی ڈر رہتا تھا۔ کہ اب کوئی آیا۔ اور گردن ناپی میں نے دل میں سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پری بانو کی امانت کوئی چور لیجائے۔ بہتر یہ ہوگا۔ کہ شہر میں چل رہوں۔ چنانچہ میں اٹھکر شہر میں آرہی اور چھ ماہ نواب محمد ابراہیم کے اصطبل میں نہایت آرام سے گذارے۔ چھ ماہ کے بعد نواب کے کارندوں نے مجھ سے کرایہ طلب کیا۔ مجھ سے نہ دیا گیا۔ داروغہ نے آکر میرے برتن توڑ ڈالے۔ اور مجھے ذلت کیساتھ نکال باہر کیا۔ مجھے اور کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ پری بانو کو لیکر دشت میں یہاں آگئی۔ حیران ہوں کہ کہاں جاؤں۔"

درویش: "یہ تیرا خام خیال ہے۔ یہ اشرفیاں میں نے تجھے اسی نازک وقت کے لیئے دی ہیں۔ پری بانو کو تکلیف نہ دینی۔ اور ان کو بیشک صرف کر۔ جب یہ لڑکی شادی کرنے کے قابل ہوگی۔ تو خداوند تعالی غیب سے تمام سامان بہم پہنچا دیگا۔"

امیری: "یہ تو تم سچ کہتے ہو۔ لیکن میں فقیرنی اگر بازار میں اشرفیاں لیگئی۔ تو

پری بانو کے سر کی قسم پکڑی جاؤنگی اور یہ تمام اشرفیاں پولیس چھین لیگی۔ ان کو یہی طرح پڑا رہنے دو۔ جب پری بانو کا میاں آئیگا تو وہ آپ ان کو جس طرح چاہیگا فروخت کر دیگا۔

درویش۔ ”یہ تیرا عذر درست ہے۔ فی الحال تجھے کیا چاہیے“۔

امیری۔ ”تین روپے کرایہ مکان دینا ہے“۔

درویش۔ ”یہ لے بٹوا اس میں دس روپے ہیں ایک سال کا کرایہ پیشگی دیدے اور شہر میں کوئی کوٹھری لے لے۔ اس طرح پر خانہ بدوش رہنا مناسب نہیں ہے“۔

یہ کہکر اس درویش نے اس لڑکی کی جبین کو بوسہ دیا اور وہاں سے جانے لگا۔

امیری۔ ”ذرا ٹھیر جانا“۔

درویش۔ ”اب کیا پوچھتی ہے“۔

امیری۔ ”تمہارا نام کیا ہے“۔

درویش۔ ”میرے نام سے تجھے کیا کام میں گمنام ہوں“۔

امیری۔ ”جب تم نے مجھ پر اتنا اعتبار کیا ہے کہ اپنی بیٹی میرے سپرد کر دی ہے تو اتنی مہربانی مجھ پر کرو۔ اپنے حسب و نسب سے آگاہ کر دو۔ تاکہ جب یہ لڑکی بڑی ہو کر اپنے باپ کا نام مجھ سے پوچھے تو اس کو بتا سکوں“۔

درویش۔ ”یہ تونے کیسے سمجھا کہ میں اس لڑکی کا باپ ہوں“۔

امیری۔ ”کیا مجھ میں اتنی عقل بھی نہیں ہے“۔

درویش۔ ”پھر بھی تونے کیسے سمجھا“۔

امیری۔ ”آنکھوں سے پیوستہ ابرو سے سرخ شنگرفی رنگ سے“۔

درویش۔ ”یہ تیرا خام خیال ہے“۔

امیری۔ اس کی ماں زندہ ہے“۔

درویش۔ (آہ بھر کر) ”کچھ نہ پوچھ“۔

امیری۔ ”یہ کیا اسرار ہے“۔

درویش:۔ "یہ راز ہے میں تمہیں نہیں بتا سکتا مجھ سے نہ پوچھو!"

امیری:۔ "کیا یہ لڑکی تمہاری بیٹی نہیں ہے۔؟"

درویش:۔ "یہ بھی مجھ سے نہ پوچھو!"

امیری:۔ "میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ تمہاری بیٹی ہے!"

درویش:۔ "تم کو غیب کا بھی علم ہے؟"

امیری:۔ "نہیں!"

درویش:۔ "تو پھر کیوں اٹکل پچو باتیں بناتی ہو۔ اس بات کو بھول جاؤ میں تمہیں اس معاملہ میں کچھ نہیں بتا سکتا!"

امیری:۔ "کیا یہ لڑکی ہمیشہ بے خبر رہیگی؟"

درویش:۔ "ظاہر تو یہی یقین ہے!"

امیری:۔ "افسوس ہے کہ ماں باپ کی صورت کو ترسا کرے گی صورت تو در کنار نام تک بیچاری کو معلوم نہ ہوگا!"

درویش:۔ "امر لاچاری ہے!"

امیری (آہستہ سے) خدا جانے یہ کس طرح کا انسان ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا!

درویش:۔ "کس سوچ میں تو پڑ گئی ہے!"

امیری:۔ "کیا بتاؤں!"

درویش:۔ "ناحق تو اس بات کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ میں اپنا قصہ تجھے نہیں سنا سکتا۔ ہرگز نہیں بتا سکتا۔ مجھے اس بات کی جرأت نہیں ہے کہ کچھ بتا سکوں۔"

امیری:۔ "اگر کچھ حرج ہے تو نہ بتاؤ!"

درویش:۔ "تو اب جاؤ اور کرایہ ادا کر دو۔"

امیری۔ "جاتی ہوں"

یہ کہکر درویش نے ایک نعرہ مارا اس کے نعرہ کی آواز سے پریڈ کا میدان گونج

اٹھا۔ امیری ڈر گئی اور پری بانو سہم کر امیری کی چھاتی سے لگ گئی۔ نعرہ مارکر درویش اس طرف روانہ ہوا۔ جہاں آجکل بادامی باغ کا سٹیشن ہے۔ مگر دس بیس قدم جاکر پھر واپس آگیا۔ دوبارہ پری بانو کو امیری سے لیکر گود میں اٹھا لیا۔ اور دوبارہ اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر قدم برداشتہ وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اور بہت جلد مائی امیری کی نگاہوں سے غائب ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد مائی امیری شہر میں آئی۔ راہ میں نواب صاحب کے خدمتگار اسکو ملے۔ داروغہ صاحب اس کے ساتھ تھے۔

پہلے تو داروغہ صاحب نے جاکر کہدیا تھا کہ اب اس بڑھیا کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ خدا جانے کہاں گئی۔ مگر نواب صاحب یہ جواب سنکر نہایت افروختہ ہوئے۔ اور کہا کہ تمام شہر کی خاک چھانو اور اسکو پیدا کرو۔ نہ صرف ہم نے اسکو ایک کوٹھری اصطبل میں بخشدی ہے۔ بلکہ اس کو دو وقت کھانا بھی لنگر سے ملا کرے۔ اگر تم نے اس بڑھیا کو جس کی یہ بے عزتی ہوئی ہے آج پیدا نہ کیا۔ تو سمجھ لینا۔ کہ تمہاری خیر نہیں ہے۔ جاؤ بڑھیا کو لے کر آؤ۔ ورنہ اپنا منہہ کالا کر کے تم بھی کہیں غائب ہوجاؤ۔ نواب صاحب کا یہ خشم اور عتاب دیکھ کر خدام باادب سہم گئے۔ اور لگے ادھر ادھر دوڑنے مائی امیری قلعہ کی فصیل کے قریب ان کو ملی۔

داروغہ "مائی صاحب سلام"

امیری "یہ لو اپنا کرایہ اور میرے منہہ نہ لگو"

داروغہ "استغفراللہ۔ کیسا کرایہ اور کہاں کا مطالبہ تمام اصطبل تمہارا ہے۔ برائے خدا جلدی چلو۔ نواب صاحب بلاتے ہیں"

امیری "مجھے نواب صاحب سے کچھ واسطہ نہیں"

داروغہ "برائے خدا کہیں ایسا کام نہ کرنا ورنہ ہماری خیر نہیں اگر تم اس وقت ہمارے ساتھ نہ گئی تو ہم سب نکالے جائیں گے"

امیری "میں نے بھر پایا مجھے معاف رکھو"

داروغہ "یہ لو اور ہم پر رحم کرو۔"

یہ کہکر داروغہ نے پگڑی سر پر سے اتار کر اس عورت کے قدموں پر رکھدی اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ ہم پر رحم کرو۔ امیری حیران ہوئی کہ یہ انکی کایا کیوں پلٹ گئی۔ آخر داروغہ کی منت اور خوشامد سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ نواب صاحب کیخدمت میں حاضر ہوئی جب ان کے روبرو گئی تو انہوں نے کہا۔"

نواب صاحب "دیکھو بڑھیا ہمیں سخت افسوس ہے کہ آج ہمکو سخت تکلیف دیگئی۔ ہم کوشش کریں گے۔ کہ تلافی کی جاوے۔ سردست ہم نے وہ کوٹھری جس میں تم رہا کرتی ہو۔ تم کو بخشدی۔ اب یہ تمہارا مال ہے اور تمکو تمہاری نسبی کو اور تمہارے کنبے کو ہر روز دو وقت کھانا ہمارے ہاں سے ملا کرے گا جاؤ اور آرام کرو۔

باب ہفتم

قادر بخش کو طعمۂ نہنگ ہوئے دس سال ہو گئے۔ یہ دس سال کا عرصہ کہنے کو تو ایک معمولی بات ہے۔ مگر آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس عرصہ میں کس قدر انقلاب اس زمانہ میں ہو جاتا ہے۔ ہاں ہم مانتے ہیں کہ ان لوگوں کو جنکو فرحت گودمیں اٹھائے ہوئے ہے جن کے سر پر مسرت سائبان بنی ہوئی ہے۔ جن کو آسمان نہیں ستاتا اور جن کو غم نہیں جلاتا۔ دس سال دس منٹ کے برابر معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن آپ ذرا ان لوگوں سے پوچھیئے جن کا تکیہ کلام یہ شعر ہو ؎

کس مصیبت میں بسر ہم شب غم کرتے ہیں ؛ رات بھر ہائے صنم ہائے صنم کرتے ہیں

آپ ان عورتوں سے جو اپنے پیارے شوہروں سے جدا ہیں ان یتیم بچوں

سے جو والدین کی صورت کو ترستے ہیں۔ ان قیدیوں سے جو اسیران زندان بلا ہیں۔ ان بیماروں سے جو تصویر ان تہالی بنے ہوئے ہیں پوچھیے تو وہ آپ کو بتائیں گے کہ دس سال کا عرصہ کتنا بڑا زمانہ ہوتا ہے۔
قادر بخش کو گم ہوئے دس سال ہو گئے۔ اس سال کے عرصہ میں کئی امرد رشائیں ہو گئے۔ کئی کنواری لڑکیاں مائیں بن گئیں۔ کئی بچے یتیم ہو گئے۔ کئی بیاہی ہوئی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ کئی نابالغ بالغ ہو گئے۔ کئی بالغ شہر خموشاں میں پیوند زمین ہوئے یا مرگھٹ میں جاکر خاکستر ہو گئے۔ کئی ویرانے بستیاں اور کئی بستیاں برباد ہو گئیں۔ کئی مکان نگار خانہ چین بن گئے۔ اور کئی شیش محل ایسے گرے کہ اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اس دس سال کے عرصہ میں کئی چھوٹے چھوٹے درخت تناور پیڑ بن گئے۔ اور کئی باغ خزاں کے ہاتھوں ویران ہو گئے قصہ مختصر اس دس سال کے عرصہ میں محمد یوسف کو قریباً اٹھارہ سال اور پری بانو کو قریباً تیرہ سال کے ہو گئے۔ محمد یوسف تو نواب زادہ تھا۔ اچھا کھاتا تھا اچھا پہنتا تھا کسی بات کی کمی نہ تھی۔ اس اٹھارہ سال کے سن میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیس سال کی عمر ہے۔ لیکن پری بانو کی بھی قوت نامیہ عجیب تھی۔ اس وقت اس کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ مگر جو اس کو دیکھتا تھا۔ اُسے یہ کہنا پڑتا تھا کہ پندرہ سال سے کم نہیں ہے۔
محمد یوسف۔ ہر روز شام کو اصطبل میں آتا تھا اور دس بجے تک دائی اصیری کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ ناظرین ہم آپ سے کیوں چھپائیں۔ یوسف کے دل میں پری بانو کی محبت اس قدر پیدا ہو گئی تھی کہ اگر ایک دن بھی اس کو نہ دیکھتا تھا۔ تو بیتاب ہو جاتا تھا۔ اللہ غنی کیا محبت تھی کہ جو کچھ گھر سے ملتا تھا وہ پری بانو کے آگے لا کر رکھ دیتا تھا۔ جب رات کو باپ کے ساتھ کھانا کھانے لگتا تھا تو اچھی اچھی چیزیں دسترخوان سے اٹھا کر رومال میں رکھتا جاتا تھا اور شام کو وہ رومال پری بانو کے حوالہ کر دیتا تھا۔ رات کو جب یوسف سوتا تھا۔

تو پری بانو کا تصور اس کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا - ہر شب اُسی کے دھیان میں سوتا تھا - اور ہر صبح اُسی کے تصور میں جاگتا تھا - آندھی ہو یا طوفان - سردی ہو یا گرمی یہ نواب زادہ بلا ناغہ اصطبل میں آتا تھا - اور تین تین گھنٹے بڑھیا کے پاس بیٹھا رہتا تھا - بڑھیا اس کو کہانیاں سناتی تھی - ان کی میٹھی میٹھی باتیں سنتی تھی - ان کا آپس میں پیار دیکھتی تھی - اور اپنی جوانی کا وقت یاد کر کے سر دھنتی تھی - پری بانو کی عمر تیرہ سال کی تھی - لیکن نہایت سمجھدار اور ہوشیار لڑکی تھی - اس عمر میں ہر ایک بات بخوبی سمجھتی تھی - اور یوسف کو ویسا ہی پیار کرتی تھی جیسا کہ وہ اُسے کرتا تھا - رات کو جب تک وہ نہ آتا تھا کھانا نہ کھاتی تھی - اس کی انتظار میں سہ پہر سے لیکر شام تک بیٹھی رہتی تھی - اور اس کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتی تھی -

اب بڑھیا کی خیالات نہ تھی - کھانا دو وقت نواب صاحب کے ہاں سے آجاتا تھا ہر چھٹے مہینے نواب صاحب کے حکم سے چھ جوڑے بڑھیا کو اور جوڑے اسکی نواسی کو توشے خانے سے ملا کرتے تھے - دو سال سے یوسف کی آمد و رفت تھی اور جو کچھ اسکو گھر سے ملتا تھا وہ زبردستی بڑھیا اور پری بانو کے حوالہ کر جاتا تھا - پری بانو صبح سے لیکر تیسرے پہر تک مکتب یعنی زنانہ مدرسہ میں رہتی تھی - شام کو یوسف یہاں آجاتا تھا - اور رات کے دس بجے تک یہاں رہا کرتا تھا - بڑھیا اپنا تمام وقت عبادت الٰہی میں بسر کرتی تھی -

مائی امیری کو جب یہ اطمینان ہو گیا - کہ اب نواب صاحب اس کو اس مکان سے نہیں نکالیں گے تو اس نے کسی منشی کو کچھ پیسے دیکر ایک پرزے پر کچھ عبارت لکھوائی اور وہ پرزہ اشرفیوں کی تھیلی میں رکھ کر وہ تھیلی اس کوٹھری کے ایک کونے میں دفن کر دی -

ایک دن کا ذکر ہے کہ مائی امیری مصلے پر بیٹھی ہوئی سبحہ گردانی کر رہی تھی پری بانو اور یوسف دونوں ایک بوریئے پر بیٹھے ہوئے تھے - یوسف کوئی فسانہ پڑھ رہا تھا - اور پری بانو سن رہی تھی - جاڑے کا موسم تھا -

اور کوٹھری کا دروازہ بند تھا کہ کسی نے آہستہ سے دروازہ پر دستک دی۔ یوسف نے کتاب کو ہاتھ سے رکھدیا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا اس میں کلام نہیں کہ یوسف خفیہ طور پر یہاں آتا تھا۔ نواب صاحب یا بیگم صاحبہ کو یہ خبر نہ تھی کہ اس کا نور بصر ایک تنقیری کی دختر پر فریفتہ ہے۔ اور ہر روز پروانہ بنکر اس شمع خوبی کا تصدق ہوتا ہے۔ یوسف نے اس بات کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ ملازمان اصطبل کا منہہ اس نے پیسے کے زور سے بند کیا ہوا تھا اور وہ روپیے کی لالچ اس بات کو منہہ پر نہ لاتے تھے۔ حضرات ناظرین اس موقعہ پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کے دل میں کچھ بدگمانی پیدا ہوئی ہو تو اس کو رفع کیا جائے۔ یوسف ایک نہایت نیک چلن اور سعادت مند صاحب زادہ تھا۔ پری بانو اس سے بڑھکر شریف اور نیک بخت تھی۔ دونوں کے دل میں ایک دوسرے کی محبت تھی لیکن یہ محبت ایسی تھی جیسے اہل جہاں پاک محبت کہتے ہیں۔ پری بانو کی عمر ہی کیا تھی بھلا اس کے دل میں شیطانی وسوسے کب داخل ہو سکتے تھے۔ اس میں شک نہیں جبتک کہ دونوں ایک دوسرے کو نہ دیکھ لیں ماہئی بے آب کی طرح بیقرار رہتے تھے۔

جب کسی نے دروازہ پر دستک دی تو یوسف دروازہ کی طرف دیکھنے لگا۔ چند سکینڈ کے بعد دروازہ کھلا اور ایک دراز قامت سپید ریش خضر صورت انسان اس کوٹھری میں داخل ہوا۔ پہلے تو اس نے پری بانو کی طرف دیکھا پھر یوسف کی طرف تکنے لگا۔ اور دونوں کو پہلو بہ پہلو ایک ہی بوریے پر بیٹھا دیکھکر دانتوں کے تلے انگلی دبالی۔ یوسف نے سمجھا کہ شاید نواب صاحب کو خبر ہو گئی ہے اور انہوں نے کسی آدمی کو بھیجا ہے اس لئے اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ یہ اگرچہ بڑا بیٹا تھا مگر باپ سے بہت ڈرتا تھا اس اجنبی کے اس کوٹھری میں داخل ہونے پر چند سکینڈ تک تو حیرت

میں اس کا منہہ دیکھتا رہا پھر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ لو اب دیر ہو گئی ہے۔ میں چلتا ہوں۔ یہ کہکر وہ جھٹ اس کوٹھری سے نکل گیا۔ پری بانو اس وقت تک نہایت خوش و خرم تھی۔ یوسف کے جاتے ہی وہ مکدر اور پریشان ہو گئی۔ اجنبی نے یہ حال دیکھا اور مسکرایا۔

اجنبی "ہائی امیری"

امیری "میں نے نہیں پہچانا"

اجنبی "کیا درویش کو بھول گئی"

امیری "اللہ غنی ابھی کل کی بات تھی کہ آپ جوان تھے آج میں دیکھتی ہوں کہ آپ ضعیف ہو گئے۔ یہ آپ کی ڈاڑھی کل بالکل سیاہ تھی۔ آج روئی کا گالا بن گئی ہے"

اجنبی "زمانہ کا یہی حال ہے جہاں اس وقت دھوپ ہے وہاں تھوڑی دیر کے بعد چھاؤں ہو گئی۔

گیا حسن خوبان دل خواہ کا ٭ سدا نام رہتا ہے اللہ کا

امیری "آپ اس قدر جلدی بوڑھے ہو گئے"۔

اجنبی "ہائی کچھ نہ پوچھ۔

تو اے کبوتر بام حرم چہ میدانی ٭ طپیدن دل مرغان رشتہ در پارا

امیری "۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کو غم نہ ہو"

اجنبی۔ استغفراللہ دنیا مرض ہے تو غم جو ہر دو لوس لازم ملزوم ملیں"

امیری "اللہ کی شان میں نے آپ کو بالکل نہیں پہچانا"

اجنبی "یہ پری بانو ہے"۔

امیری "پری بانو یہ تیرا ——"

اجنبی "خاموش جس بات کا یقین نہ ہو اس کو منہہ سے نکالنا مناسب نہیں ہے"

امیری "بہت بہتر"

اجنبی: "ادھر آیئے پری بانو"

امیری: "آجاؤ یہ اپنے ہیں"

پری بانو اس اجنبی کے آنے سے سخت ناراض تھی۔ کیونکہ اسکے آتے ہی یوسف یہاں سے چلا گیا۔ اسوقت وہ خشم آلودہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک جہاندیدہ انسان تھا۔ وہ دوبارہ مسکرایا۔ اتنے میں آمیری کے اصرار سے پری بانو اٹھکر اجنبی کے پاس آگئی۔ اور اس نے عالم بے اختیاری میں اسکو گلے سے لگا لیا۔

اجنبی: "(کانپتی ہوئی آواز سے) کچھ پڑھا کرتی ہو بیٹی"

پری بانو: "جی ہاں"

اجنبی: "کیا پڑھتی ہو"

پری بانو: "آجکل صبح کا ستارہ پڑھتی ہوں"

اجنبی: "شاباش"

امیری: "اردو فر فر پڑھ لیتی ہے۔ اور خط لکھ سکتی ہے"

اجنبی: "میں۔ میں۔ بہت خوش ہوا"

اس وقت پری بانو نے دیکھا۔ کہ اجنبی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور ہرچند اسنے روکا۔ مگر وہ باہر نکل ہی آئے۔ سچ ہے۔ آنسوؤں کا پینا آسان نہیں ہے۔ سہ

آنسو نہ پئے جائینگے اے ناصح ناداں ہیرے کی کنی جان سے کھائی نہیں جاتی

پری بانو کا دل بھی اسوقت بھر آیا۔ اور وہ بھی رونے لگی۔ امیری مطلق نہ سمجھی کہ اجنبی کیوں رو دیا۔ اور پری بانو کیوں آنسو بھر آئی مگر ان دونوں کو روتا دیکھکر وہ بھی رونے لگی۔ بڑی دیر تک تینوں طرف سے آنسوؤں کے تار جاری رہے پھر سب سے پہلے اجنبی نے آنکھیں رومال سے صاف کیں۔ جیب میں سے دس روپے نکال کر پری بانو کے ہاتھ پر رکھدیئے۔ اور کہا جاؤ بیٹی اس بوریئے پر جا بیٹھو۔ جب پری بانو چراغ کے پاس جا بیٹھی۔ تو وہ امیری کو لیکر باہر چلا آیا۔ اسوقت

امیری کا کلیجہ کبوتر کیطرح پھڑک رہا تھا اور وہ ڈر رہی تھی کہ شاید دس سال گذر گئے۔ اور یہ شخص اپنی امانت لینے آیا ہے۔

اجنبی: "یہ لڑکا کون تھا؟"

امیری: "یہ نوابصاحب کا بڑا بیٹا ہے"

اجنبی: "کب سے یہاں آتا ہے؟"

امیری: "دو سال سے آمد و رفت ہے۔ پری بانو سے بڑی محبت ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو اسطرح چاہتے ہیں جیسے حقیقی بھائی ہیں"

اجنبی: "بھائی بہن؟"

امیری: "ہاں بڑا اسعادتمند لڑکا ہے"

اجنبی: "دیکھو مائی امیری میرے حال پہ ایک احسان کر"

امیری: "میں کس قابل ہوں"

اجنبی: "میں تجھ سے ایک مہربانی چاہتا ہوں"

امیری: "(زرد ہو کر) فرمایئے"

امیری سمجھگئی کہ اب وہ پری بانو کو واپس مانگتا ہے۔ اور اسکا یہ حال ہو گیا جیسے کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں۔

اجنبی: "تم مجھ سے وعدہ کرو کہ جو میں کہوں وہ کروگی"

امیری: "میں حکم کی بندی ہوں۔ میرا کیا ذمہ ہے لیکن اگر پری بانو مجھ سے جدا ہوئی تو میرا زندہ رہنا بھی محال ہے"

اجنبی: "اسکا فکر نہ کرو میں پری بانو کو لینے نہیں آیا میں کچھ اور چاہتا ہوں"

امیری: "(خوش ہو کر) فرمایئے"

اجنبی: "جہانتک ممکن ہو سکے پری بانو کو اس لڑکے سے علیحدہ رکھو میں دیکھتا ہوں کہ عنوان خراب ہیں۔ یہ لڑکا امیرزادہ ہے اور پری بانو ایک فقیرنی کی بیٹی نتیجہ بہت خراب ہوگا"

امیری: "وہ لڑکا بدچلن نہیں ہے"

اجنبی: "میں کب یہ کہتا ہوں"

امیری: "پھر کیا حرج ہے"

اجنبی: "ابھی وقت ہے۔ ایک سال یا حد دو سال میں بعد سمندر میں سیلاب آئیگا۔ اور سب کچھ بہا کے لیجائیگا۔ برائے خدا ابھی موقعہ ہے۔ انتقام کر لو"

امیری: "تمہاری مرضی"

اجنبی: "(ہاتھ جوڑ کر) پری بانو کے حال پر رحم کرو۔ اور اس لڑکے کا آنا جانا یہاں بند کردو۔ بہتر تو یہ ہے کہ مکان چھوڑ کر کہیں چلی جاؤ"

امیری: "نہیں لڑکا شریف ہے اگر اسکو منع کردینگے۔ تو وہ نہیں آئیگا"

اجنبی: "مائی تم کس خیال میں ہو۔ وہ کبھی باز نہیں رہیگا تم اپنا انتقام کر لو۔ دیکھو ابھی موقع ہے"

امیری: "اگر تمہاری یہی مرضی ہے۔ تو مجھے کچھ انکار نہیں میں اسکا آنا یہاں بند کردونگی"

اجنبی: "بند کیا کرونگی۔ یہاں سے کہیں دور چلی جاؤ۔ بلکہ یہ شہر چھوڑ دو"

امیری: "ایسا ہی کرونگی"

یہ کہکر وہ درویش آنکھوں سے آنسو پونچھتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اور امیری متعجب ہو کر کوٹھری میں آگئی۔

باب ہشتم

دوسرے دن حسب معمول محمد یوسف امیری کے ہاں گیا۔ اور خوشی خوشی پری بانو کے پاس بیٹھ گیا پھر اسنے جیب میں سے ایک رومال نکالا۔ اس میں شامی کباب تھے۔ یہ اسنے پری بانو کے آگے رکھدیئے۔ یہ لڑکی بھی جبتک یوسف نہ آتا تھا۔ روٹی نہ کھاتی تھی جسوقت یوسف نے جیب سے رومال نکالا یہ مسکرا کر چنگیر اٹھالائی۔ اور دونوں نے ملکر کباب روٹی کھائی۔ اسوقت یہ نہایت خوش تھے عصمت پری بانو

کے بلا گرداں ہو رہی تھی۔ سعادتمندی یوسف کی بلائیں لے رہی تھی۔ اور محبت پاک محبت دونوں کے کلیجوں میں ٹھنڈک اور دونوں کی آنکھوں میں تراوٹ پہنچا رہی تھی۔

اے محبت۔ اے میری جان محبت۔ یہ زمین تیری ہے۔ یہ جہاں تیرا ہے۔ تو ہماری زندگانی۔ تو ہماری تندرستی اور جوانی ہے تیری بدولت بچے جوان ہوتے ہیں۔ اور جوان بوڑھے ہوتے ہیں تیری ہی مہربانی سے باغ سبز ہوتے ہیں۔ اور مکان آباد ہوتے ہیں۔ چڑیوں کے نشیمن میں۔ شیر کے غاریں جنگل میں۔ بیابان میں۔ لالہ زار میں ہر جگہ تیرا پھیرا ہے۔ اور ہر گھر میں تیرا بسیرا ہے۔ اگر تو نہ ہوتی۔ تو خشک شجر کبھی ہرے نہ ہوتے۔ کبھی کسی کے مزار پہ دیئے نہ جلتے۔ کبھی زمانے میں بچے نہ پلتے۔ کبھی دنیا کے دھندے نہ چلتے۔ ہاں سچ ہے۔ تیرے خمیر میں آبِ حیات ملا ہوا ہے تیرا چراغ کبھی گل نہیں ہوتا۔ یہ چراغ بے اعتنائیوں کی آندھیوں اور بے پرواہی کے طوفان سے مدہم ہو جاتا ہے۔ ٹمٹمانے لگتا۔ مگر کبھی گل نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ محبت اُڑ جاتی ہے۔ سراسر جھوٹ بولتے ہیں جھوٹ کیا چیز ہوتا ہے۔ وہ گناہ کرتے ہیں۔ محبت کبھی نہیں اُڑتی۔ کبھی نہیں مرتی۔ یہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے اور رہیگی۔

بیفکری کا زمانہ تھا۔ محبت نے ان دونوں بچوں کے دماغ کو معطر کیا ہوا تھا اور دونوں اس وقت دنیا ومافیہا سے غافل تھے۔ مائی امیری مصلے پہ بیٹھی ہوئی تسبیح پھیر رہی تھی۔ اور سوچ رہی تھی۔ کہ کس طرح یوسف کو جواب دے جس وقت وہ انکی بھولی بھولی باتیں۔ انکا اظہار محبت۔ انکا اکٹھے کھانا کھانا۔ ایک کا چراغ کے پاس بیٹھ جانا۔ اور دوسرے کا فسانہ پڑھنا۔ ایک کا تھک جانا۔ تو دوسرے کا کہانی سنانا دیکھتی تھی۔ تو اسکا دل نہ چاہتا تھا۔ کہ ان کے آرام پہ بجلی گر آئے۔ لیکن وہ بھی مجبور تھی۔ ... نے اس سے وعدہ لے لیا تھا۔ کہ جس طرح ہو سکے۔ ان دونوں کو جدا کر دینا آخر جس وقت یوسف کے جانیکا وقت ہوا۔ تو امیری نے اسکو اپنے پاس بلایا اور

اور پیار کرکے اپنے پاس مصلّے پر بٹھالیا۔ پری بانو بھی نانی کے پاس آبیٹھی لیکن اُسنے اُسکو اٹھادیا۔ اور کہا کہ جاؤ۔ تم اپنا کام کرو۔ مجھے چھوٹے نواب سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔ پری بانو حیران ہوکر چلی گئی۔ کیونکہ حرکت خلاف معمول تھی۔

امیری:۔ "بیٹا محمد یوسف"

یوسف:۔ "فرمائیے"

امیری:۔ "تم ہمارے آقا ہو۔ اور ہم تمہارے نمکخوار ہیں"

یوسف:۔ "اسکے کیا معنے۔ یہ آپ کیا فرماتی ہیں۔ تم جیسی انکی نانی ہو۔ ویسی میری"

امیری:۔ "یہ تمہاری مہربانی ہے۔ ورنہ کہاں تم نواب اور کہاں میں کنگلی"

یوسف:۔ "ایسی باتیں نکرو۔ اس سے مجھے صدمہ پہنچتا ہے"

امیری:۔ "تم جانتے ہو کہ کبوتر کا جوڑ کبوتر اور کوّے کا جوڑ کوّا ہے"

یوسف:۔ "خیر ہے آج تم کیسی باتیں کرتی ہو"

امیری:۔ "صاف صاف کہدوں"

یوسف:۔ "مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے"

امیری:۔ "یہ لڑکی پری بانو غیر کی امانت ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا کہ اب جوان لڑکوں کے ساتھ اسکی نشست و برخاست ہو۔ اللہ رکھے وہ بھی اب سیانی ہوئی۔ اگر بد نام ہوگئی۔ تو کہیں کی نہ رہیگی"

یوسف:۔ "تم مجھے لچّا یا شہدا سمجھتی ہو"

امیری:۔ "میرے مُنہ میں خاک پڑے میں تمہیں لچّا یا لقا کہہ سکتی ہوں"

یوسف:۔ "میں تو اسوقت تک پری بانو کو بہن سمجھتا ہوں"

امیری:۔ "آفریں ہے نواب زادے اپنی رعیت کی بہو بیٹیوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں لیکن تم جانتے ہو۔ زمانہ کی زبان کتنی بگڑی ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ اسکی تمہارے ساتھ شادی ہو سکے۔ بضرور ایک دن غریب آدمی سے بیاہی جائیگی۔ اگر خدا نخواستہ اسکے دل میں تمہاری محبت نے گھر کر لیا۔ تو پھر دین اور دنیا سے گئی گذری ہو جائیگی"

یوسف: "اب میں بھی صاف صاف کہدوں"

امیری: "بیشک"

یوسف: "یہ کبھی نہو گا کہ پری بانو کی شادی کہیں اور ہو سکے انشاءاللہ تعالیٰ میں اس سے شادی کرونگا۔ اور اگر اسکی جگہہ مجھے کوئی کسی شہنشاہ کی دختر یا کوہ قاف کی پری یا جنّت کی حور بھی لائے تو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں"

امیری: "(ہنسکر) بیٹا یہ خام خیال ہے۔ تمہاری اماں جان کو کب یہ گوارا ہوگا۔ کہ انکا بیٹا ایک فقیرنی کی دُختر سے بیاہا جائے"

یوسف: "امیری اور فقیری کسی کی میراث نہیں ہے۔ یہ جو گلیوں میں فقیر مارے مارے پھرتے ہیں۔ انمیں کم سے کم نصف امیروں کے بیٹے ہیں۔ زمانہ میں کسی بات کو ثبات نہیں ہے۔

اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

امیری: "یہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن میں تمکو یقین دلاتی ہوں۔ نہ تو نوابصاحب اور بیگم صاحبہ اس بات کو کبھی منظور کرینگی"

یوسف: "اگر ان کو میری خوشی منظور ہے۔ تو ضرور میری بات مانینگے"

امیری: "اچھا یونہی سہی۔ تم اُن سے کہو۔ اگر انہوں نے منظور کر لیا۔ تو اس سے اور بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ پھر پری بانو تمہاری ہے۔ اس کے ساتھ نکاح کر کے اسکو گھر لیجانا۔ اور اگر انہوں نے نہ مانا۔ تو پھر اس سے ملنا جُلنا چھوڑ دو۔ اگر اسکی بھلائی چاہتے ہو تو اسکو بدنام نکرو۔ لڑکی ذات ہے۔ ذرا سی بدنامی سے کہیں کی نہ رہیگی"

یوسف: "پھر میں کل یہاں نہ آؤں"

امیری: "مناسب تو یہی ہے۔ آگے تم مختار ہو"

یوسف: "بھلا اتنی تو مہربانی کرو"

امیری: "بھلا بیٹا میں کس لائق ہوں۔ بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں"

یوسف: "ایک دفعہ تو پری بانو سے مل لینے دیجئے"

امیری:۔ (مسکرا کر) ایک شرط پر کہ پھر آئندہ اس بات کے درپے نہ ہونا۔ دیکھو نہ بیٹا زمانہ بہت برا ہے۔"

یوسف:۔ "اچھا۔"

امیری:۔ "پری بانو کہاں ہے۔ چھوٹے نواب کو دروازہ تک چھوڑ آ۔"

جس وقت پری بانو اور یوسف کوٹھری سے باہر نکلے تو یوسف نے نہایت حسرت کیساتھ پری بانو کا چہرہ دیکھا۔ اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہنے لگا تمہاری نانی نے مجھے آنے سے منع کر دیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اسکی آنکھوں سے آنسو بے اختیار نکل آئے۔ پری بانو اگرچہ تیرہ سال کی تھی۔ مگر صورت سے پندرہ برس کی معلوم ہوتی تھی۔ اور بڑی سمجھدار تھی۔ حیران ہو کر کہنے لگی۔ یہ کیوں۔ نواب زادہ نے نہایت حسرت کے ساتھ جواب دیا۔ وہ کہتی ہیں۔ کہ اسمیں تمہاری بدنامی ہے یہ کہکر وہ پری بانو کے گلے سے چمٹ گیا۔ اور زار زار رونے لگا۔ پری بانو بھی رو پڑی۔ امیری دروازہ کے شگاف سے یہ حال دیکھ رہی تھی۔ اسنے ٹھنڈی سانس بھری۔ اور پری بانو کو اندر بلا لیا۔

~~~~~~~~~~

بابُ نہم

اتفاق سے جس دن امیری نے یوسف کو کہا۔ کہ تمہارے آنے سے ہماری بدنامی ہے۔ اُسی دن عین اس وقت جب پری بانو اور یوسف کوٹھری کے باہر کھڑے ہوئے حسرت آمیز گفتگو کر رہے تھے۔

نواب محمد ابراہیم۔ اور شاہ جہاں بیگم میں یوسف کی شادی کے متعلق یہ باتیں ہو رہی تھیں۔

بیگم:۔ "تم نے میری بات کا جواب نہ دیا۔"
~~~~~~~~~~

نواب:۔ "سوچکر بتاؤنگا"

بیگم:۔ "اسمیں سوچنے کی کونسی بات ہے"

نواب:۔ "میرے خیال میں ابھی دو سال تک یوسف کی شادی نہیں ہونی چاہئے ابھی وہ بچہ ہے"

بیگم:۔ "اب خیر سے اٹھارھویں سال میں ہے"

نواب:۔ "نہیں ابھی کہاں سے اٹھارھویں سال کا ہو گیا؟"

بیگم:۔ "اے میراں جی کے مہینے میں پورا اٹھارہ سال کا ہو جائیگا۔"

نواب:۔ "نہیں جی تم بھولتی ہو"

بیگم:۔ "تم زبردستی کرتے ہو"

نواب:۔ "چلو اٹھارہ ہی سہی۔ یہ بھی کوئی عمر ہوتی ہے"

بیگم:۔ "مگر چشم بد دور معلوم تو جوان ہوتا ہے۔ آج آئے تو مرچیں وار دونگی"

نواب:۔ "اگر ابھی سے شادی ہوگئی تو پڑھنے لکھنے سے رہجائیگا۔"

بیگم:۔ "اچھا شادی نہو۔ منگنی میں کیا ہرج ہے"

نواب:۔ "منگنی شگنی کیا ہوتی ہے"

بیگم:۔ "واہ تم پرانی رسموں کو چھوڑنا چاہتے ہو"

نواب:۔ "رہنسکر) نہیں میں تو ہنستا ہوں"

بیگم:۔ "آج یوسف آئے تو اُس سے پوچھونگی"

نواب:۔ "اسکی مرضی ضرور لینی چاہئے۔"

بیگم:۔ "وہ ضرور مان لیگا۔ حقیقی خالہ کی بیٹی ہے۔ اپنا خون ہے"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی۔ کہ یوسف بھی آموجود ہوا۔ مگر سخت مضطرب تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا آیا ہوا تھا۔ چہرہ پر دحشت برس رہی تھی۔ پلکوں پر خاک جمی ہوئی تھی۔ ہونٹوں پر سفیدی چھائی ہوئی تھی۔ قدم کہیں اٹھاتا تھا۔ اور پڑتا کہیں تھا۔

بیگم:۔ "لے لو یوسف آگیا"

نواب: "آئیے نوابصاحب کہاں رہے اتنی دیر تک"

یوسف: "یہیں تھا"

جس جگہ نواب اور بیگم صاحبہ بیٹھے تھے وہاں موم بتی کی روشنی تھی۔ اس روشنی میں انہوں نے یوسف کی شکل دیکھی۔ تو حیران ہو گئے۔

بیگم: "یوسف یہ تیری آنکھیں کیوں لال ہو رہی ہیں"

یوسف: "زبردستی ہنسی والا چہرہ بنا کر۔ کوئی نہیں"

بیگم: "لڑکے ہماری آنکھوں میں خاک جھونکتا ہے"

یوسف: "کوئی بات ہو تو بتاؤں۔ آتے ہوئے آنکھوں میں کیڑا پڑ گیا تھا"

بیگم: "آنکھیں دھولے"

یوسف: "ابھی دھو کر آیا ہوں"

بیگم: "کوئی ہے مرچیں وار کو جو ہے نیں تو اللہ"

یوسف: "تم ہر وقت یہی کہا کرتی ہو"

بیگم: "دیکھا انگریزی پڑھانے کا اثر"

یوسف: "بھلا مرچوں سے کیا مطلب ہے"

نواب: "سچ کہتا ہے"

بیگم: "ادھر میرے پلنگ پہ آ کر بیٹھ جا"

یوسف: "لو بیٹھ کر اکیا کہتی ہو"

بیگم: "اب تو جوان ہو چلا ہے ہمارا ارادہ ہے کہ تیری شادی ہو جائے"

یہ سنکر یوسف کا کلیجہ دھڑکنے لگا۔

یوسف: "مجھ سے کیا پوچھتی ہو"

بیگم: "اور سنو۔ تجھ سے نہ پوچھیں۔ تو اور کس سے پوچھیں"

نواب: "نوابصاحب شادی تمہاری ہوگی یا کسی اور کی؟"

یوسف: "میں جانتا ہوں"

بیگم: ”ٹھہر جاؤ ذرا“

یوسف: ”کیا کہتی ہو“

بیگم: ”ہمارا ارادہ ہے کہ تیری شادی حشمت آرا بیگم سے ہو“

یہ سنکر یوسف کا رنگ فق ہو گیا۔ اور کلیجہ ڈوب گیا۔ نواب صاحب [illegible] اور بیگم بھی سمجھ گئیں۔ کہ اس خبر نے اسکے دل پر بہت بڑا اثر پیدا کیا ہے۔ [illegible] دل میں ایک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بیٹھے بیٹھے نہیں کیا [illegible] یاد آیا

نواب: ”کیوں ناپسند ہے“

بیگم: ”تمہاری حقیقی خالہ کی بیٹی ہے۔ اس سے بہتر رشتہ تمہیں کہیں نہیں مل سکتا“

نواب: ”جو دل میں ہو وہ صاف صاف کہدو“

بیگم: ”لڑکی بھی خوبصورت ہے۔ پڑھی لکھی ہے۔ تو پھر تم چپ کیوں ہو“

نواب: ”نواب صاحب آپ خاموش کیوں ہو گئے“

بیگم: ”لڑکے اپنے منہ سے نہیں کہا کرتے“

نواب: ”کیوں صاحب“

بیگم: ”میرا تو یہ خیال ہے کہ جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو جانا چاہئے“

یہ سنکر یوسف کا رنگ اور بھی متغیر ہو گیا۔

نواب: ”پہلے اپنے نور بصر کو تو منا لو“

بیگم: ”وہ منا شنا یاد ہے“

نواب: ”زبردستی بھی“

بیگم: ”معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا منشا نہیں ہے“

نواب: ”تمہیں کیسے معلوم ہوا“

بیگم: ”حشمت آرا کی اماں میری حقیقی بہن ہے۔ امیر زادی ہے۔ حشمت آرا کا باپ ڈپٹی ہے۔ خود حشمت آرا خوبصورت ہے۔ پڑھی لکھی ہے اور ہمیں کیا چاہئے“

نواب :- "تم ناحق خفا ہوتی ہو۔ جہانگیر بیگم میری سالی انکی بیٹی میری آنکھوں کی پتلی ہوئی۔ اگر یہاں رشتہ ہو تو اس سے اور کیا بہتر ہو سکتا ہے چشم ما روشن دل ما شاد۔ تمہارا برخوردار ہی مُنہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھا ہے۔ اور کچھ مضطرب سا معلوم ہوتا ہے۔

دل لگا یا ہے کہیں انشاء نے شاید بیتر: ان دنوں آتا ہے بہت گھبرایا ہوا

بیگم :- یوسف اسمیں شرم کیا۔ تو مُنہ سے کیوں نہیں بولتا؟"

یوسف :- میں چلتا ہوں یہاں سے۔"

بیگم :- یہیں اور کسطرح کہے۔ آخر ماں باپ سے شرم بھی کرنی چاہیے۔"

نواب :- اگر اسکو منظور ہے تو زہے قسمت۔ بہت بہتر کل ہی سے انتظام شروع ہو جائے گا۔"

نوابصاحب کے ان فقروں نے یوسف کے دل کی آگ پر تیل کا کام کیا۔ اور اسمیں غیر معمولی توانائی آگئی۔ اور وہ بول اٹھا۔

بیگم :- یوسف کچھ کہنے لگا ہے۔"

نواب :- فرمایئے نوابصاحب!"

یوسف :- میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

نواب :- اور کب کروگے؟"

یوسف :- صاف صاف بات تو یہ ہے کہ یہاں مجھے شادی کرنی منظور نہیں ہے۔"

نواب :- اور کس جگہ کروگے۔ اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

یوسف :- اگر شادی کرونگا تو اسی سے کرونگا۔ جسکو میں پسند کر چکا ہوں۔ ورنہ تمام عمر مجرد رہونگا۔"

یہ سُنکر بیگم صاحبہ پر بجلی سی گر گئی۔ اور وہ کہنے لگی "اور پڑھاؤ انگریزی جیسے سلوم ہو کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔"

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~

باب دہم

یوسف کے جانے کے بعد جب پری بانو کو مائی امیری نے اندر بلا لیا تو وہ نہایت ملول اور محزون لب بستہ اور دم بخود بوریئے پر بیٹھ گئی۔ اس وقت اسکی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ رنگ جو قدرتاً سیندوریا تھا اس وقت بیر بہوٹی کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ اور پیشانی نورانی پر تیوری موجود تھی۔ یہ حور جمال لڑکی بڑی دیر تک اسی طرح خاموش بیٹھی رہی۔ آخر کار اس طرح گویا ہوئی۔

پری بانو: "نانی اماں یہ پٹھان کون تھا"

امیری: "کونسا پٹھان؟"

پری بانو: "یہ جو آیا تھا!"

امیری: "یہ درویش ہے!"

پری بانو: "اچھا درویش ہے"

امیری: "کیوں؟"

پری بانو: "تمکو کیا کہتا تھا"

امیری: "نصیحت کرتا تھا!"

پری بانو: "اجنبی شخص تنہا قدم رکھتا تھا!"

امیری: "لڑکی تو نے بیٹھے بیٹھے یہ کیسی باتیں کرتی ہو!"

پری بانو: "خدا جانے اماں وہ جوگی [illegible] بہت باتیں سکھا گیا ہے!"

امیری: "اری کیسی باتیں"

پری بانو: "تمنے اس بیچارے کو کیوں منع کیا؟"

امیری: "کس بیچارے کو؟"

پری بانو: "جو روز یہاں آتا تھا۔"

امیری: "وہ بیچارہ ہے۔ نواب کا بیٹا بیچارہ ہوتا ہے۔"

پری بانو: "ہمارا وہ کیا لیتا تھا؟"

امیری: "اسمیں بدنامی تھی۔"

پری بانو: "بدنامی تو تب ہوتی۔ اگر اب کا آنا گناہ ہوتا۔"

امیری: "تو نہیں سمجھتی چپ کرکے بیٹھی رہو۔ بڑوں کی بات میں بولنا اچھا نہیں۔"

پری بانو اگرچہ بڑھیا کو بہت عزیز تھی۔ مگر اس سے ڈرتی بہت تھی۔ اسلئے اپنا سا منہ لیکر رہگئی۔ اور وہ آنسو جو ابھی تک آنکھوں میں بھرے ہوئے تھے۔ چشم سے باہر نکل آئے۔

امیری: "یہ آدمی کون ہے؟"

پری بانو: "کوئی بھی نہیں۔ تم تو ناحق خفا ہوتی ہو۔"

امیری: "کمبخت تیرے ہی بھلے کے لئے کہتی ہیں۔"

پری بانو: "میں نے کیا کیا ہے؟"

امیری: "آنسوؤں کو پونچھ۔"

پری بانو نے آنچل سے آنکھیں پونچھ لیں۔ لیکن جب آنسوؤں کا سیلاب امڈ آتا ہے۔ تو ایکدم نہیں رک سکتا۔ ع

تھمتے تھمتے تھمینگے آنسو　　رونا ہے کچھ ہنسی نہیں ہے

امیری تسبیح پھیرے جاتی تھی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب سر اٹھاکر پری بانو کی طرف نگاہ کرلی تھی۔ تو اس کی چشم نرگس سے آنسو جاری دیکھتی تھی۔ آخر انکو یقین ہوگیا کہ لڑکی ضرور دیوانی ہو جائیگی جسکے کاٹے کا کسی سے علاج نہیں ہو سکتا ہے قابل کرے۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر وہ پری بانو کی چارپائی پر بیٹھی اور منہ کو چوم

ہیں وہ چار پائیاں موجود تھیں۔ اور دونوں پر سفید البستر تھے۔ ہم یہ پہلے کہہ چکے ہیں۔
کہ نواب صاحب کی غریب نوازی اور یوسف کی فیاضی نے ان دونوں کو ضروریات
روزمرہ سے فارغ البال کر دیا تھا۔ اس لئے یہ بڑھیا کہیں نہیں جاتی تھی۔ تمام
دن عبادت آمرزگار کیا کرتی تھی۔ اس وقت رات کے ۱۲ بجنے والے تھے۔
امیری نے دیکھا۔ کہ ابھی تک پری بانو کروٹیں بدل رہی ہے۔ اور اسکی بیقراری
زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہی ہے سہ

آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب ۔ کسکے گھر جائیگا سیلاب بلا میرے بعد

امیری:۔ "پری بانو"
پری بانو:۔ "تو یہ کیا کہتی ہو؟"
امیری:۔ "تجھے نیند کیوں نہیں آتی"
پری بانو:۔ "خبر نہیں"
امیری:۔ "اری تجھے کہیں درد ہے"
پری بانو:۔ "ہاں بیٹھا بیٹھا درد کلیجہ میں اٹھتا ہے"
یہ جواب سنکر پھر اس بڑھیا نے ٹھنڈی سانس لائی۔ اور چند منٹ کیلئے
خاموش ہو گئی۔ لیکن اسنے دیکھا۔ ساتھی پہرہ بدل چکے ہیں۔ اور پری بانو ابھی
تک کروٹیں بدل رہی ہے۔ تو اس سے رہا نہ گیا۔ وہ پھر بولی۔
امیری:۔ "بیٹی پری بانو"
پری بانو نے کچھ جواب نہ دیا۔
امیری:۔ "یہ تونے چلا کیسا مارا۔ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ تو کروٹیں بدل رہی ہے"
پری بانو:۔ "تم مجھے سونے نہیں دو گی"
امیری:۔ "لڑکی سینہ دھوپ میں چونڈا سفید نہیں کیا۔ تمہاری جھوٹی ہے کہ بڑی
عمر تو دیکھتی جاتی ہوں۔ کہ تجھے بیقرار کچھ لگی ہوئی ہے"
پری بانو:۔ "کہہ تو چکی ہوں۔ کہ کلیجہ میں درد ہے"

امیری: (گرم ہوکر) کلیجہ میں زہر دفینہ نہ ہے۔ یوسف کی جدائی کا غم ہے

پری بانو: (رو کر) اور گالیاں دیجئے۔ تم کو اختیار ہے

امیری: (نرم ہوکر) بیٹی میں تیری دشمن ہوں؟

پری بانو: کون کہتا ہے

امیری: پھر میں جو بات کرونگی۔ تیرے بھلے کی کرونگی

پری بانو: اب مجھے کیا کہتی ہو

امیری: آدمی کو اپنی حیثیت دیکھنی چاہئے۔ تو فقیر یوسف امیر وہ پھول تم کانٹا۔ تمہاری اسکی کیا نسبت جسوقت بڑے نواب یا بیگم صاحبہ کو خبر ہوگی تو وہ خدا جانے ہمارا کیا حال کرینگے۔ آجکل خدا نے انکو بےمقدور دیا ہے

پری بانو: کیا کرینگے

امیری: جلاوطن کر دینگے۔ اجڑوا دینگے

پری بانو: پھر کیا ہے۔ آخر ایک دن مرنا ہے

امیری: کیا تو جینے سے بیزار ہے

پری بانو: ہاں

امیری: دیکھ پری بانو پچھتائیگی جھونپڑی میں رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا بیجا ہے۔ کہاں تو فقیرنی کی نواسی اور کہاں وہ نواب زادہ

پری بانو: تم اسکا ذکر کیوں بار بار چھیڑتی ہو

امیری: میں جانتی ہوں۔ کہ تجھ بدنصیب کو محبت نے اندھا کر دیا ہے۔ لڑکی تمام عمر جلتی رہیگی۔ نواب زادے ایک بیوی سے خوش نہیں ہوتے۔ تجھے کیا ہو گیا

پری بانو: اچھا مجھے سونے دو

امیری: لو اور سنو

پری بانو: توبہ میری

اس گفتگو کے بعد ہر چند امیری نے پری بانو کو بلایا مگر وہ چپ مار کے پڑی رہی اور

پھر نہ لوٹی۔ اسوقت اس مغموم لڑکی کو عجیب قسم کی بےچینی اور اضطراب لاحق تھا۔
بار بار اسکے دلمیں یہ خیال آتا تھا کہ کوٹھری کی چھت پھٹ جائے یا دیوار شق ہو جائے
اور اسکا پیارا یوسف اُس کے پاس آجائے۔ اس اضطراب اور قلق میں اس زلیخا
کی آنکھ لگ گئی۔ اور پریشانی اور بدخوابی کے باعث اس نے عجیب خواب دیکھا۔ عالم
خواب میں اسکو نظر آیا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک تخت ہوا پر معلق ہے اور
وہ زرنگاری لباس پہنے ہوئے اس پر بیٹھی ہوئی ہے چاروں طرف جہانتک نگاہ کام
کر سکتی ہے سوائے لق و دق جنگل اور وحشت خیز بیابان کے اور کچھ نظر نہیں آتا
دفعتاً ایک طرف سے گرد اُٹھی۔ اور چند سیاہ پوش آدمی نمودار ہوئے۔ انہوں نے
ایک جنازہ کاندھے پر اُٹھایا ہوا تھا۔ اور آہستہ آہستہ جا رہے تھے جسوقت وہ
جنازہ اس مقام پر پہنچا۔ کہ جہاں پری بانو کا تخت ہوا پر معلق تھا۔ تو ہوا کا جھونکا ایسا
آیا کہ تابوت کی بالائی چادر اڑ گئی۔ کفن کے بند ٹوٹ گئے۔ اور پری بانو نے دیکھا
کہ وہ میت اسکی نانی ماں اسیری کی ہے یہ حال دیکھکر پری بانو کے آنسو جاری
ہو گئے۔ اور وہ خوب روئی تھوڑی دیر کے بعد وہ عزادار جو جنازہ لیکر آئے تھے مع
تابوت غائب ہو گئے۔ اسکا پیارا یوسف ایک طرف سے نمودار ہوا۔ اور چلا کر
کہنے لگا۔ کہ پری بانو مجھے بھی اپنے پاس بلا لے۔ پری بانو نیچے اُترنے کو تھی کہ یوسف
کا حقیقی بھائی یعقوب جو یوسف سے ایک سال چھوٹا تھا یوسف کی تلاش میں
وہاں پہنچا۔ ادھر پری بانو نے دیکھا کہ جہاں یوسف کھڑا ہے۔ وہاں زمین شگافتہ
ہو گئی ہے۔ اور ایک خوفناک خندق منہ کھولے ہوئے خمیازہ لے رہی ہے
یوسف کو ایسے خوفناک مقام پر کھڑا ہوا دیکھکر پری بانو کے رونگٹے کھڑے ہو گئے
اسنے شور و غل مچایا۔ اور کہا کہ یوسف۔ یوسف دیکھ اپنے آپ کو بچا۔ مگر اس کی
آواز یوسف کے کانوں تک نہ پہنچی۔ اتنے میں یعقوب اس جگہ آ پہنچا کہ جہاں یوسف
کھڑا تھا۔ اس ظالم نے بیخبری میں یوسف کو اس خندق میں دھکیل دیا۔ یوسف
کو خندق میں گرتا دیکھکر پری بانو کو غش آ گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد جو اسکی آنکھ

کھلی۔ تو اُسنے دیکھا۔ کہ نہ وہ تخت ہے۔ نہ وہ غار۔ بلکہ ایک مرغزار میں وہ تنہا کھڑی ہے۔ اس موقعہ پر ہمپر یعقوب وہاں نمودار ہوا۔ اور پری بانو کے پاس آ کر اظہار محبت کرنے لگا۔ پری بانو اُسکو اپنے یوسف کا قاتل سمجھکر بڑی برافروختہ ہوئی۔ اور کہنے لگی "او قابیل تیرا بھائی ہابیل کہاں ہے"؟ یہ سُنکر یعقوب نے ایک نعرہ مارا۔ کہ جو کچھ کیا ہے۔ اس محبت نے کیا ہے۔ ؎

اس کشمکش دہر سے کیا کام تھا ہمیں اے الفت صنم تیرا خانہ خراب ہو

پری بانو نے چاہا کہ کچھ جواب دے۔ کہ اُسکی آنکھ کھل گئی۔ اور اسنے دیکھا کہ آفتاب سر پر آ گیا ہے۔ دھوپ کی شعاعیں دروازے کے شگاف سے کوٹھری میں آ رہی ہیں۔ دروازہ کوٹھری کا بند ہے۔ اور مائی امیری ابھی تک چارپائی پر کپڑا تانے پاؤں پھیلائے پڑی ہے۔ مائی امیری کو اس وقت تک سویا دیکھکر پری بانو کو حیرت ہوئی۔ یہ بڑھیا چار بجے ہر روز اُٹھا کرتی تھی۔ گرمی اور سردی۔ خزاں اور بہار ہر موسم میں یہی اس کا معمول تھا۔ معمول کے خلاف بات دیکھکر پری بانو اُٹھی۔ اور امیری کی چارپائی پر گئی۔ لیکن بڑھیا کے مُنہ سے کپڑا اُتارتے ہی اُس نے ایک چیخ ماری۔ اور بیہوش ہو گئی۔ امیری کا مُرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ آنکھیں پتھرا گئی تھیں ناک کا بانسہ پھر گیا تھا۔ لاش سوکھے کے لکڑی ہو گئی تھی۔ اور دہ سرقت مردہ صد سالہ سے بدتر اُسکا حال تھا۔ سچ ہے۔ آدمی پانی کا بلبلہ ہے۔ روتے ہی یا تو دماغ کی کوٹھری کی کوئی رگ پھٹ گئی۔ یا دل چلتے چلتے ٹھہر گیا۔ یہاں جنون کا کچھ پتہ نہیں۔ وہ تو بڑھیا تھی۔

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~

شہنشاہ بیگم ادھیڑ اور بدصورت تھی۔ اسلئے وہ خوبصورت عورتوں کی مادرزاد دشمن تھی پری بانو کے حسن روز افزوں کا شہرہ اس کے کانوں تک پہنچا تھا پری بانو کو اُسنے گھر میں بُلا کر دیکھا تھا۔ اور آتش حسد میں جلکر خاک ہوچکی تھی۔

شام کا وقت تھا شہنشاہ بیگم اور نواب صاحب محلسرائے میں زرّیں مسند پر جلوہ افروز تھے۔ اور اُن کے مقابل ان کے دونوں صاحبزادے یوسف اور یعقوب گردن جھکائے بیٹھے تھے۔ یوسف اس وقت خیر سے پورے بیس ۲۰ سال کا تھا۔ اور یعقوب انیس ۱۹ کا ہوچکا تھا۔ دونوں بھائیوں کی عمر میں صرف ایک سال کا فرق تھا۔ مگر شکل وصورت میں اسقدر اختلاف تھا۔ کہ اجنبی ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ یوسف غزال رعنا تھا۔ اور یعقوب کا قد کوتاہ تھا یوسف کا رنگ گلابی تھا۔ اور یعقوب کا سانولا۔ یوسف کے دانت موتیوں کو شرماتے تھے۔ اور یعقوب کے دانت غیر موزوں اور زرد زرد تھے۔ یوسف کی ناک ستواں اور یعقوب کی چپٹی تھی۔ یوسف کے ابرو پیوستہ تھے اور یعقوب کی آنکھوں پر ابرو کی جگہ ایک پتلی سی سیاہ دھاری دکھائی دیتی تھی۔ یوسف کی آنکھیں آہو مثال اور سیاہ تھیں۔ یعقوب کی ازرق تھیں۔ یوسف سبزہ آغاز تھا اور یعقوب کے چہرے پر بال تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ یوسف کے چہرے سے سادگی اور یعقوب کے چہرے سے پکاپن ترشح ہوتا تھا۔ یوسف کو نواب صاحب اور یعقوب کو شہنشاہ بیگم حد سے زیادہ چاہتی تھیں۔

نواب: "کیا یہ سچ ہے؟"

یوسف: "کیا اباجان"

نواب: "جو میں نے سُنا ہے"

یوسف: "اباجان مجھے کیا خبر کہ آپ نے کیا سُنا ہے"

نواب: "اپنے دل سے پوچھو"

یوسف: "آپ بتا دیجئے میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا"

باب یازدہم

عورت قدرتاً عورت کی دشمن ہے۔ جب ایک عورت تیس سال سے اوپر گذر جائے۔ اور ساتھ ہی شکل و صورت کی سیدھی سادی ہو۔ اور دوسری طرف عورت جوان اور خوبصورت ہو تو پھر دشمنی سے خدا کی پناہ ہے۔ کبھی رحم قریب نہیں آتا۔ عورت مرد کا ظلم برداشت کرسکتی ہے۔ مرد کے لئے جبر اٹھا سکتی ہے۔ لیکن اپنے طبقہ کی بات برداشت نہیں کرسکتی۔ عورت مانند اس ستون کے ہے۔ جو بنی اسرائیل کے ساتھ گیا تھا۔ اور اہل مصر کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ عورت روشنی اور آگ ہے! لیکن مرد کیلئے عورت بادل اور تاریکی ہے! لیکن عورت کیلئے عورت اگر اسکی بہن خوبصورت اور جوان ہے۔ تو ہر طرح سے اسکا دل دکھائیگی۔ بہن کی خوبصورتی اور دلاویز چہرہ اسکی آتش خشم تیز کرنے کے لئے کافی ہے۔ خوبصورت عورت خواہ کیسی ہی متابعت کرے۔ خواہ کتنی ہی خوشامد کرے۔ بدصورت عورت کا غصہ کبھی کم نہیں ہوتا۔ اور اسکا کینہ کبھی نہیں جاتا۔ خدا کے نزدیک ایک گناہ یعنے شرک ایسا ہے۔ کہ وہ کبھی نہیں بخشا جاسکتا۔ لیکن ادھیڑ عورت کے نزدیک دو گناہ ہیں جنکی بخشش نہیں ہے اور وہ خوبصورتی اور جوانی ہیں۔ ادھیڑ عورت رحم کو بالائے طاق اور انصاف کو طاق نسیان میں رکھدیتی ہے۔ روم کے ظالم بادشاہ کیطرح جس نے ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ خدا کرے تمام بنی نوع کی ایک ہی گردن ہوتی تاکہ وہ تمام کو ایک دفعہ ہی تہ تیغ کردیتا۔ ادھیڑ اور بدصورت عورت کی ہمیشہ یہی خواہش ہوتی ہے کہ کاش تمام جوان اور خوبصورت عورتوں کے ایک ہی ہوتی۔ تاکہ یہ آسانی کاٹ ڈالتی اطمینان والی طبقہ نسوان میں اگر کسی عورت کو میسر تھا۔ تو صرف حوا کو تھا۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ بہشت بریں میں اسکی کوئی اور بہن نہ تھی۔

نواب:- "تو ہر روز سر شام کہاں چلا جاتا ہے۔ اور رات کے گیارہ بجے تک کہاں رہتا ہے"

یعقوب:- "ابا بھائی جان تو کہیں نہیں جاتے"

نواب:- "تو کیوں بولتا ہے۔ تجھے کسنے منصف بنایا ہے"

یوسف:- "سیر کے لئے شام کو جایا کرتا ہوں"

نواب:- "مینے کچھ اور سنا ہے"

یعقوب:- "کس سے سنا ہے"

نواب:- "تو چپکا بیٹھا رہ"

یوسف:- "ابا جان کچھ بتلایئے۔ تو میری سمجھ میں آئے"

نواب:- "کیا یہ سچ ہے۔ کہ پری بالو کو تونے شہر میں مکان لے دیا ہے۔ اور تو ہر روز ——"

یوسف:- "آپ سے کسنے کہا"

نواب:- "پہلے تم یہ کہو کہ یہ سچ ہے"

یوسف:- "مسر صاحب کا کرایہ سچ ہے"

نواب:- "یہ شہر یفوں کا کام ہے"

یوسف:- "مجھے اسمیں کوئی گناہ نظر نہیں آتا"

نواب:- "یہ شریف زادے قحبہ عورتوں کے گھر جاتے ہیں"

یوسف:- "قحبہ کون ہے؟"

نواب:- "پری بالو اور کون"

یوسف:- "ابا جان مجھسے یہ گفتگو نہیں سُنی جاتی۔ میرے خیال میں پری بالو جیسی پاک دامن کوئی ہو تو ہو"

نواب:- "میں تو اسکو بازاری عورت سمجھتا ہوں"

یوسف:- "یہ جناب کی زبردستی ہے"

نواب:۔ "وہ تیری لگتی کیا ہے"
یوسف:۔ "میری منسوبہ ہے۔ ہم دونوں آپسمیں شادی کا قول و قرار کر چکے ہیں جناب کو مناسب نہیں کہ اپنی بہو کی شان میں ایسے کلمات کہیں۔ جو ہونا تھا۔ ہو چکا"
شہنشاہ بیگم:۔ "اوئی یہ تو نے کیا کہا"
یوسف:۔ "اماں جو کچھ مینے کہا ہے۔ وہ سچ ہے"
بیگم:۔ "ارے لڑکے میں تو اس فکر میں تھی۔ کہ تیری شادی میری خالہ زاد بہن حشمت آرا بیگم سے ہو۔ تیرے لئے انہوں نے بیٹی بٹھا رکھی ہے۔ یہ تو نے کیا کہا"
یوسف:۔ "اماں حشمت آرا بیگم کا نکاح بھائی یعقوب سے کردو۔ میری عمر اور انکی عمر میں بہت تھوڑا فرق ہے میں تو پری بانو کے بغیر اور کسی سے شادی نہیں کرونگا مجھے معاف کیجئے"

یہ کہکر یوسف وہاں سے چلا گیا۔

بیگم:۔ "یہ تو بڑی خرابی کی بات ہے۔
نواب:۔ "خرابی کیسی خرابی"
بیگم:۔ "(ہاتھ ملکر) اب کیا کریں"
نواب:۔ "لڑکا ہاتھوں سے گیا"
بیگم:۔ "میں تو اچھال چھکا۔ فقیرنی کی نواسی کو کبھی گھر میں نہ آنے دوں"
نواب:۔ "واقعی بدنامی کا باعث ہے"
بیگم:۔ "میں تو زہر کھا کر مرجاؤنگی۔ اُسنے ہمارے خاندان کو بٹہ لگا دیا"
نواب:۔ "کیا تدبیر کریں"
بیگم:۔ "زبردستی حشمت آرا بیگم سے شادی کردو"
نواب:۔ "جوان بیٹا ہے۔ یہ کب ممکن ہے"
بیگم:۔ "اسلئے کہتی تھی۔ کہ اس میری دشمن فقیرنی کو اصطبل میں نہ رکھو"
نواب:۔ "مجھے کیا خبر تھی قسمت ہماری"

بابِ دوازدہم

اِدھر آٹھ بجے اُدھر یوسف حسب معمول پری بانو کے ہاں پہنچا۔ مائی انیری کے مرنے کے بعد یوسف نے پری بانو کو ایک مکان ایک غیر آباد محلہ میں لے دیا تھا۔ اور ایک ماما رکھدی تھی۔ اس گھر میں پری بانو یوسف کو دیکھ جیتی تھی۔ دونوں ۸ بجے سے پیار بھری رات کے گیارہ بجے تک باہم بیٹھکر حرف و حکایات میں مشغول رہتے تھے جس وقت گیارہ بجتے تھے۔ یوسف جبرًا وقہرًا پری بانو سے جدا ہوتا تھا۔ گھر میں آکر سو رہتا تھا۔

یہ رات کا وقت ہی ملاقات کا وقت نہ تھا۔ دن کو بھی جب موقعہ ملتا تھا یوسف گھر سے نکلکر اس نئے مکان میں پہنچتا تھا۔ اور کئی کئی گھنٹے اپنی محبوبۂ دلنواز کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ دونوں میں شادی کا قول اور قرار ہو چکا تھا۔ دونوں مناسب محل کے منتظر تھے۔ یوسف نے کئی بار کہا کہ اب نکاح ہو جائے۔ مگر پری بانو نے انکار کیا۔ اور کہا کہ پوشیدہ نکاح مناسب نہیں ہے۔ پہلے والدین کو راضی کر لو۔

جس وقت یوسف رات کے وقت پری بانو کے مکان میں داخل ہوا تو اُس کے ساتھ ہی ایک اور سیاہ پوش جو اُس کے عقب میں غیر معلوم کی طرح پر آرہا تھا مکان میں چلا آیا۔ اور ایک کونے میں چھپ گیا۔ اس سیاہ پوش نے دیکھا کہ ایک کمرہ بڑی خوش اسلوبی سے آراستہ کیا ہوا ہے۔ ایرانی قالین کا فرش ہے۔ جھاڑ کی روشنی سے دن چڑھا ہوا ہے۔ اور قالین پر یوسف ایک حور شمائل کے ساتھ پہلو بہ پہلو جا بیٹھا ہے۔ اس وقت سیاہ پوش نے اس نازنین کی صورت غور سے دیکھی۔ اور اُس عالم تصویر کو دیکھکر مثل آئینہ حیران رہگیا۔ وہ سیاہ لمبے لمبے بال وہ سیاہ موٹی موٹی آنکھیں جنہیں شعرا چشم آہو کہتے ہیں۔ وہ سُرخ و سپید

رنگ وہ کاغذی ہونٹ وہ پیوستہ ابرو۔ وہ زنخداں پر خال وہ ستواں ناک دیکھکر قدرت خدا یاد آتی ہے۔ یہ پری چہرہ پری بانو اس وقت چونکہ جاڑے کا موسم تھا۔ نافرمانی مخمل کی قمیص زیب تن کئے تھی۔ کانوں میں صرف ایک ایک بالی تھی۔ ہاتھوں میں صرف بلور کی ایک ایک چوڑی تھی۔ سر کے بال لٹک رہے اور قالین کو چھو رہے تھے۔ سفید کشمیری شال اور سبز گلبدن کا پاجامہ سونے پر سہاگے کا کام دے رہے تھے۔ یوسف اور پری بانو کو پہلو بہ پہلو دیکھکر زہرہ اور مشتری کا قران یاد آتا تھا۔

یوسف کو اس جگہ آئے بمشکل پانچ منٹ ہوئے ہونگے۔ کہ ماما چلمچی اور آفتابہ لائی دونوں کے ہاتھ دھلائے۔ دستر خوان بچھایا اور چنا۔ دو رکابیوں میں مرغ پلاؤ ایک طشتری میں شامی کباب۔ دو چینی کے پیالوں میں قورمہ تھا۔ اور روے کی سفید سفید چپاتیاں دیکھکر خواہ مخواہ انسان کی گرسنگی زیادہ ہوتی تھی۔

پری بانو: "خیر ہے آج تمنے کچھ نہیں کھایا"

یوسف: "آج اشتہا نہیں ہے۔ تمنے کیوں ہاتھ کھینچ لیا۔ میری خاطر تم نہ بھوکی رہو"

پری بانو: "تمہارے بغیر میرا جی بھی کھانا کھانے کو نہیں چاہتا"

یوسف: "اچھا میں تمہارے ساتھ بیٹھا ہوں"

یہ کہکر یوسف بھی پری بانو کیساتھ بیٹھا رہا۔ اور کبھی کبھی وقت ایک ایک نوالہ اٹھا کر منہ میں ڈالتا رہا۔ جب پری بانو بھی فارغ ہوگئی۔ تو ماما نے دستر خوان بڑھایا دونوں کے ہاتھ دھلوائے۔ اور دونوں کو ایک ایک گلوری پان کی دی۔

پری بانو: "ماما"

ماما: "حضور"

پری بانو: "آج خاصدان میں الائچی نہیں ——"

ماما: "اے بیوی آگ لگے میری یادداشت کو مجھے خیال نہیں"

پری بانو: "میری صندوقچی میں الائچیاں ہیں"

ماما: "بہت اچھا"

یوسف: "دیکھو میری جان اب تم ضد نکرو۔"

پری بانو: "وہ کس بات کی"

یوسف: "برائے خدا مجھسے نکاح جلدی کر لو"

پری بانو: "تم بڑے نوابصاحب سے تو پوچھ لو"

یوسف: "یہی بات اچھی نہیں۔ اب میں بالغ ہوں"

پری بانو: "بیگم صاحبہ تو میری جان کی بیرن ہیں"

یوسف: "پڑی ہوں"

پری بانو: "تم بڑے نوابصاحب کے دست نگر ہو۔ وہ بڑے تیز مزاج انسان ہیں۔ اگر ناراض ہو گئے۔ تو پھر کیا ہو گا"

یوسف: "میں محنت مشقت کرونگا۔ اور جو کچھ کماؤنگا۔ تمہارے آگے لاکر رکھونگا"

پری بانو: "یہ سچ ہے۔ لیکن میں تمہیں ایسی مصیبت میں گرفتار کرنا نہیں چاہتی۔ دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ میری طرف سے تم تسلی رکھو۔ تمہارے لئے میں جیتی ہوں۔ اور تمہارے لئے اس دنیا میں آئی ہوں"

یوسف: "(ہاتھ جوڑ کر) خدا کے لئے جلدی نکاح کر لو"

پری بانو: "آج خیر ہے؟"

یوسف: "دیر اچھی نہیں ہے۔ اماں جان مجھے بہت دق کر رہی ہیں۔ اور لڑائی ہوتی ہے۔ ہر روز حشمت آرا کی طرف سے سُناتی ہیں۔ حشمت آرا کا نام سُنکر پری بانو کا رنگ سفید ہو گیا۔ لیکن بظاہر وہ مُسکرائی"

پری بانو: "افسوس میرے باعث تمکو اسقدر تکلیف ہوتی ہے"

یوسف: "آج مینے صاف صاف کہدیا۔ کہ میرا وعدہ پری بانو سے ہو چکا ہے وہ میری منسوبہ ہے"

پری بانو: "پھر کیا کہنے لگیں"

یوسف :- بس آگ بجھو کا ہو گئیں ۔اور میں اٹھکر چلا آیا ۔ میں نے کہدیا کہ حشمت آرا بہن کا نکاح یعقوب سے کر دو ۔ برائے خدا اب دیر نکرو جلدی نکاح ہو جانا چاہیے"

پری بانو :- سوچ لو ۔ مجھے اپنی والدہ کی نظروں میں حقیر کر دوگے ؟

یوسف :- واہ جو مجھے چاہیگا ۔ وہ پہلے تمہیں چاہیگا"

اس موقع پر ایک سیاہ پوش دراز قامت انسان اس کمرے میں داخل ہوا اور قالین پر آ بیٹھا ۔ اس اجنبی کو دیکھکر پری بانو کا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا اور یوسف بھی سخت گھبرایا ۔

حضرات ناظرین یہ سیاہ پوش نواب ابراہیم ہے ۔ جو یوسف کے تعاقب میں اس مکان میں داخل ہوئے اور اسطرح پر عاشق و معشوق کو حیران کیا ۔

نواب :- یہی پری بانو ہے ؟

یوسف :- قبلہ یہی وہ شریف زادی ہے "

نواب :- دیکھ بیٹی میرے اطمینان دل میں فرق نہ ڈال میں تجھے اپنی بیٹی سمجھونگا اور تیرا نکاح کسی اچھے آدمی سے کر دونگا ۔ لیکن تو میرے بیٹے کی کسی طرح قابل نہیں ہے ۔ مانا کہ تو کوہ قاف کی پری اور بہشت کی حور ہے ۔ لیکن رتبہ اور درجہ بھی کوئی ہے ۔ یہ نہیں ہو سکتا ۔ کہ فقیرنی کی بیٹی ایک رئیس اعظم کی بہو بنے "

یوسف :- ابا جان آپ کیا فرما رہے ہیں ۔ امیری اور غریبی کیا شے ہے ۔ روپیہ شرافت کا معیار نہیں ہو سکتا ۔ شرافت سیرت سے معلوم ہوتی ہے ۔ پری بانو کو خدا نے وہ صفتیں عطا کیں ہیں ۔ کہ یہ پردہ دنیا پر اپنی نظیر آپ ہے ۔ میں اس زلیخا کا دیوانہ ہوں ۔ یہ شمع ہے ۔ اور میں پروانہ ہوں ۔ میں نواب زادہ ہوں لیکن اس مہ لقا کے در کا گدا ہوں ۔ اس حسن کی دیوی کا پوجاری ہوں ۔ ابا آپ کی تقریر نے میرے دل میں آگ لگا دی ہے ۔ اور میرے جگر میں زہر میں بجھا ہوا خنجر دستہ تک غرق ہو گیا ہے ۔ آپکو کوئی حق نہیں ہے کہ اس شریف زادی کا دل اسطرح پر دکھائیں "

نواب :- میں تجھ سے نہیں بولتا ۔ بیٹی میری بات کا کیا جواب ہے "

یوسف:۔ "ابا خدا کا خوف کیجئے"

نواب:۔ "برہم ہو کر) میں تیرا منہ نہیں دیکھنا چاہتا بیٹے میں تجھسے بات کر رہا ہوں"

پری بانو:۔ "ان سے پوچھئے"

نواب:۔ "ان سے کیا پوچھوں۔ یہ میاںصاحب تو جنونی ہیں"

پری بانو:۔ "میں انکی لونڈی ہوں"

نواب:۔ "معلوم ہوا کہ تم دونوں نے سازش کی ہوئی ہے"

یوسف:۔ "ابا جان ۔ آپ میرے والد ہیں۔ آپکی عزت میرے پر فرض ہے لیکن آپکے منہ سے بھی میں اپنی پیاری پری بانو کی شان میں ایسے مکروہ الفاظ نہیں سن سکتا"

نواب:۔ "تو میرے اختیارات سے آگاہ ہے"

یوسف:۔ "ہاں خوب آگاہ ہوں میں فقیر ہو جاؤنگا۔ مگر پری بانو کی غلامی نہیں چھوڑونگا مجھے آپکی نصیحت درکار نہیں ہے"

نواب:۔ "پری بانو کاش تو جیسی خوبصورت ہے۔ ویسی نیک سیرت بھی ہوتی"

یہ سنکر پری بانو کا رنگ گلنار ہو گیا۔

پری بانو:۔ "نوابصاحب بیشک آپ رئیس ہیں۔ اور میں فقیرنی کی بیٹی لیکن مجھے بھی اسی خدا نے بنایا ہے جسنے آپکو۔ میرے سینے میں بھی دل ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ کیا آپکے مذہب میں یہ روا ہے کہ امیر فقیروں کو حشرات الارض سمجھیں اور انکی گردن کند چھری سے کاٹیں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ امیر ہی نیک سیرت ہوتے ہیں۔ تو آپ بے ادبی معاف۔ غلطی پر ہیں۔ ہاں آپکے صاحبزادے سے میری محبت ہے۔ اور اس سے شادی کا وعدہ کر چکی ہوں۔ لیکن جب تک شادی نہو وہ میرے نزدیک بھائیوں جیسا ہے۔ اگر میں بد سیرت ہوتی تو مدت کا نکاح ہو گیا ہوتا پوچھ لیجئے بیٹھے ہیں۔ میں نے یہ شرط لگائی ہوئی ہے۔ کہ جب تک تمہارے والدین

رضامند نہوں۔ میں یہ بات نہیں مانتی "

یہ آخری فقرہ کہتے ہوئے پری بانو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

نواب:۔ "کیوں یوسف یہ بات سچ ہے"

یوسف:۔ "بالکل سچ ہے"

نواب:۔ "آفرین ہے اس لڑکی پر اور لعنت ہے تجھ پر"

یوسف:۔ "اس کے کیا معنے"

نواب:۔ "ابے کوڑ مغز خلقت خدا کی کیا کہیگی۔ نواب زادہ ہو کر ——"

یوسف:۔ "آپ بار بار یہ کیا کہتے ہیں۔ میں نواب زادہ نہیں ہوں۔ میں پری بانو کے در کا گدا ہوں"

نواب:۔ "تو سخت پچھتائیگا"

یوسف:۔ "چلاہے کچھ ہوئے" سہ

ملنگتے اے آسماں تجھسے نہیں جاگیر ہم　　قبر کو تھوڑی زمیں ملجائے کوئے یار میں

نواب:۔ "سخت بیحیا ہے"

یوسف:۔ "مجھے پری بانو کی محبت سلامت رہے۔ مجھے اس شے کی جسکو آپ حیا کہتے ہیں حاجت نہیں ہے"

نواب:۔ "بھلی نیت سے اُٹھ کھڑا ہو"

یوسف:۔ "ابا جان اب مجھے موت یہاں سے اُٹھا سکتی ہے"

نواب:۔ "میں تجھے محروم الارث کردونگا"

یوسف:۔ "کر دیجئے"

نواب:۔ "تو نہیں باز آئیگا۔ دکھاؤں تجھے تماشہ"

یوسف:۔ "ایک بار نہیں ہزار بار"

نواب:۔ "بری صحبت کا یہ اثر ہوتا ہے"

یوسف:۔ "پھر آپ زبردستی کرتے ہیں۔ آپ مجھے جو چاہیں کہیں پری بانو کی شان

میں نازیبا الفاظ میں کسی کی زبان سے نہیں سُن سکتا۔ ہاں باپ کی زبان سے بھی نہیں سُن سکتا "

یوسف کو خشم آلودہ دیکھکر نواب محمدؐ ابراہیم نے مناسب سمجھا کہ حکمت عملی سے کام لینا چاہیئے۔ چنانچہ یک قلم انہوں نے طرز گفتگو بدل دی۔ اور نہایت ملائم آواز میں کہنے لگے۔

نواب: "میں دونوں کا امتحان لیتا تھا۔ اب مجھے یقین آگیا۔ کہ آپس میں گُل و بلبل ہو۔ اور تم ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے "

یوسف: "سچی بات تو یہ ہے "

نواب: "ہر بات کو سوچ سمجھکر کرنا چاہیئے۔ جب تمہاری محبت کا یہ عالم ہے تو میں بھی تمہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن تمکو میری عزّت اور آبرو کا پاس ہونا چاہیئے۔ بیشک تم پری بانو سے نکاح کر لو۔ مگر ایسی طرح پر کرو۔ کہ ہم چشموں میں سبک نہ ہوں۔ کیوں بیٹے پری بانو میں جھوٹ کہتا ہوں؟ "

نواب: "اسوقت تم گھر چلو۔ تمہاری والدہ سے مشورہ کرکے کوئی تجویز نکالی جائیگی میں تمسے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری خلاف مرضی کوئی بات نہوگی "

یوسف اگرچہ ہماری طرح محبت کا پرستار تھا۔ لیکن ابھی نوعمر اور ناتجربہ کار تھا۔ نواب صاحب کے بھرتوں میں آگیا۔ اور پری بانو سے باپ کے اصرار سے رخصت ہوا۔

یوسف کے جانیکے بعد پری بانو لحاف لیکر لیٹ گئی۔ بڑی رات تک اسکو نیند نہ آئی۔ بڑی دیر تک کروٹیں بدلتی رہی۔ اور بے چین رہی۔ ہمنے آزمایا ہے کہ جب کوئی خراب یا منحوس یا خلاف مرضی بات ہونیوالی ہوتی ہے۔ تو خودبخود ایک قسم کا اضطراب لاحق ہو جاتا ہے۔ اور ہر بات میں آنیوالی خرابی کے آثار ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں۔ اسی قسم کا اضطراب اسوقت پری بانو کو لاحق تھا۔ اور اسکا دل گواہی دیتا تھا۔ کہ کوئی آفت آنیوالی ہے۔

باب سیزدہم

علی الصباح جب پری بانو بیدار ہوئی تو بدخوابی کی وجہ سے طبیعت نہایت بدمزہ تھی۔ اور بشدت درد سے سر پھٹا جاتا تھا۔ اس حالت میں بستر سے اُٹھکر پری بانو نے منہ ہاتھ دھویا کنپٹیوں پر کاغذیاں لگائیں۔ اور گلابی رنگ کے ریشمی رومال سے سر کو کسکر باندھ لیا۔

ماما: "آج کیا پکیگا"

پری بانو: "آج تو مجھے بھوک نہیں ہے میں کھانا نہیں کھاؤنگی تو اپنے لئے کچھ پکالے"

ماما: "کیوں خیر ہے"

پری بانو: "سر درد کے باعث طبیعت مالش کر رہی ہے"

ماما: "پھر مناسب ہے کہ اسوقت کچھ نہ کھاؤ"

پری بانو: "میں تو پہلے ہی کہہ رہی ہوں"

ماما: "میں اپنے لئے کھچڑی اُبال لیتی ہوں۔ پہلے بازار ہو آؤں۔ آج چھوٹے نواب کیلئے مُرغ کے کباب بنانے ہیں۔ وہ مُرغ کباب خوش ہو کر کھاتے ہیں"

پری بانو: "اچھا جا"

ماما: "تم دروازہ اندر سے بند کرلو"

پری بانو: "تو جا میں بند کرلونگی"

ماما: "کہیں بھول نہ جانا"

پری بانو: "نہیں نہیں"

اتفاق کی بات ہے۔ وہی معاملہ ہوا۔ جسکا ماما کو ڈر تھا۔ آگے دستور تھا کہ جب ماما باہر جاتی تھی۔ تو پری بانو فوراً اندر سے دروازہ بند کرلیتی تھی۔ آج سر درد کی تکلیف اور شب بیداری کے باعث اُسکی طبیعت میں ایک قسم کی کاہلی سی

پیدا ہو گئی - اور اُسے کہا کہ ماما تم جاؤ - میں ابھی دروازہ بند کر لونگی - ماما چلی گئی لیکن پری بانو کو دروازہ بند کرنا یاد نہ رہا - اور رات کی بدخوابی کے باعث یہ پھر چار پائی پر لیٹ گئی - اور لیٹتے ہی اسپر غنودگی سی طاری ہوئی کوئی ۱۵ منٹ تک غنودگی کا عالم طاری رہا - پھر جو دفعتاً اسکی آنکھ کھلی تو اپنے کمرہ میں ایک سیاہ فام بے ریش نوجوان کو کھڑا ہوا دیکھا جو غور سے اُسکے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا - اس اجنبی کو دیکھکر تمام غفلت یک قلم کافور ہو گئی - اور پری بانو تنک کر اُٹھ کھڑی ہوئی -

پری بانو: "آپ کون ہیں"

"تمنے مجھے نہیں پہچانا"

پری بانو: "نہیں صاحب مینے آپکو مطلق نہیں پہچانا جہانتک مجھے یاد ہے مینے آپکو نہیں دیکھا"

"اجی جناب آپنے بھی حد کی - میں تمہارا رشتہ دار ہوں"

پری بانو: "آپ میرے رشتہ دار؟"

"(قہقہہ لگاکر) بیشک"

پری بانو: "صاف صاف بتلائیے"

"میں آپکا دیور ہوں - میرا نام یعقوب ہے - میں نواب محمد یوسف کا چھوٹا بھائی ہوں"

پری بانو: "بھلا میں بھائی آپ کو کیسے پہچان سکتی تھی کبھی پہلے دیکھا ہوتا تو بھی بات تھی"

"ہاں بھابی سچ ہے"

بھابی کا لفظ سنکر پری بانو خوش تو ہوئی - لیکن شرما گئی -

پری بانو: "ماما باہر گئی ہوئی ہے - اور ـــــــ"

یعقوب: "مجھے بھائی جان نے تمہارے لینے کیلئے بھیجا ہے"

پری بانو: "وہ آپ کیوں نہیں آئے"

یعقوب: "کیا بتاؤں"

پری بانو: "کیوں خیر تو ہے"

یعقوب: "اگر اچھی طرح سے ہوتے تو مجھے کیوں بھیجتے"

یہ فقرہ سُنکر پری بانو کا رنگ زرد ہوگیا۔ اور دلمیں ایک درد اٹھا جسقدر یوسف کو پری بانو سے محبت تھی۔ اُس سے دس درجے بڑھکر پری بانو کو یوسف سے تعشق تھا۔ وہ اگر یوسف کو نہ دیکھتی تھی۔ تو بیمار ہو جاتی تھی۔ ناظرین ہم سچ کہتے ہیں۔ کہ محبت جب انتہا سے گذر جاتی ہے۔ تو جسم میں جان بن جاتی ہے۔ اور اگر محبوب نظر نہ آئے۔ تو عجیب قسم کا قلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور فوراً تندرستی میں فرق آجاتا ہے جسوقت پری بانو نے سُنا۔ کہ اُسکا محبوب بیمار ہے۔ تو اُسکو چکر آگیا۔ اور عالم اُسکی آنکھوں کے سامنے تاریک ہوگیا۔"

پری بانو: "بات کیا ہے۔ سارا حال سُناؤ"

یعقوب: "رات جب یہاں سے گئے۔ تو اماں جان سے بڑی لڑائی ہوئی۔ وہ گالیاں دیتی رہیں۔ یہ بیٹھے سُنتے رہے"

پری بانو: "کس بات پر لڑائی ہوئی"

یعقوب: "آپ ہی پر ہسئی تھی"

پری بانو: "نوابصاحب کیا کہتے تھے"

یعقوب: "وہ تو بھائی صاحب کے طرفدار تھے"

پری بانو: "اور بیگم صاحبہ"

یعقوب: "وہ بڑی زبردست ہیں۔ وہ کہنے لگیں اگر حشمت آرا سے شادی نہ کی تو میں اپنا اور تیرا خون کردونگی"

پری بانو: "اب بتاؤ۔ میں کیا کروں میرے اللہ اب کیا ہوگا"

یعقوب: "بھائی جان نے صاف جوابدیدیا۔ اور کہا۔ کہ مرجاؤنگا لیکن یہ بات

نہیں ہوگی۔ رات ہم بڑی دیر سے سوئے۔ رات بھائی جان کی طبیعت بگڑ گئی۔ اس وقت بستر پر لیٹے ہیں۔ سرہانے اماجان بیٹھی ہیں۔ بھائی جان آپکا نام لے رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔ کہ انکو جلدی بلاؤ۔ ورنہ دشمن مرجائینگے۔ انکا یہ حال دیکھکر اماں جان بھی نرم ہوگئی ہیں۔ ابا تو پہلے سے ہی بھائی جان کی طرف تھے مجھے بند گاڑی دیکر بھیجا ہے۔ کہ جاؤ انکو لے آؤ میں حاضر ہوں۔ جلد چلئے۔ کہیں زیادہ بیمار نہ ہوجائیں۔ گاڑی باہر کھڑی ہے۔ اب برقعہ لیجئے "

پری بانو: "ذرا ٹھہر جایئے۔ ماما آلے "

یعقوب: "جناب انکی طبیعت سخت بیچین ہے۔ آپ ہی ماما آجائیگی۔ میں ایک سائیس دروازہ پر بٹھا جاؤنگا۔ اور اسکو کہدونگا۔ کہ ماما کے آنے تک بیٹھا رہے "

پری بانو بڑی ہوشیار اور سمجھدار نیک لڑکی تھی۔ مگر یوسف کی بیماری کا حال سنکر وہ ایسی گھبرائی۔ کہ ماما کا بھی انتظار نہ کیا۔ اور فوراً برقعہ لیکر یعقوب کے ساتھ چل کھڑی ہوئی۔ اس مکان سے کچھ فاصلہ پر بند گاڑی جو اصطبل میں کئی بار پری بانو نے دیکھی تھی۔ کھڑی تھی۔ پری بانو اور یعقوب دونوں اس بند گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اور گاڑی برق کی تیزی کے ساتھ روانہ ہوئی۔

ایک گھنٹہ کے بعد ماما سودا سلف لیکر واپس آئی۔ اور دروازے کو کھلا پاکر متعجب ہوئی۔ اوپر جاکر اسنے دیکھا۔ کہ برقعہ بھی غائب ہے۔ اور پری بانو کا بھی پتہ نہیں یہ حال دیکھکر ماما کو سخت حیرت ہوئی۔ آجتک کبھی پری بانو نے گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ ہاں پانچ چھہ بار وہ رات کو بند گاڑی میں یوسف کے ساتھ سیر کو گئی تھی۔ لیکن گھر کو اسطرح پر چھوڑکر کبھی جانے کا اتفاق نہ ہوا تھا ماما نے سمجھا کہ شاید یوسف کہیں لے گیا ہے۔ ابھی آجائینگی۔ چنانچہ اسنے حسب دستور کھانا پکایا۔ مرغ کو ماہی توے پر تلا۔ اور پری بانو کا رستہ دیکھنے لگی چار بج گئے۔ مگر پری بانو واپس نہ آئی۔ ماما نے سمجھا کہ شاید مغرب کے بعد دونوں لوٹینگے

آئیں گے - اس خیال پر یقین کر کے وہ بیفکر ہو کر لیٹ رہی -

جاڑے میں چھ بجے سے پہلے شام پڑ جاتی ہے - مغرب کا وقت بھی ہو گیا مگر وہ دونوں نہ آئے - مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر ماما نے چراغ جلائے - کمرے میں دسترخوان بچھایا - اس پر کھانا چنا - اور انگیٹھی میں آگ ڈال کر سالن کے بجھوڑے اسپر دھر دیئے تاکہ سالن جمنے نہ پائے - اپنے دل میں بڑھیا خوش تھی کہ جب دونوں باہر سے آویں گے - تو اس کے حسن انتظام سے خوشی ہو کر فوراً دسترخوان پر بیٹھ جاویں گے - کیونکہ سردی کے موسم میں انسان جب باہر سے آتا ہے - تو بھوک چمکی ہوئی ہوتی ہے - جب کہیں ذرا کھٹکا ہوتا تھا تو ماما دوڑ کر دروازہ کھولنے جاتی تھی - دو تین بار ایسا ہی اتفاق ہوا - اور ہر بار اسکو مایوس ہونا ہونا پڑا - ایک بار جب اس نے دروازہ کھولا تو بلی دوڑ کر اندر آ گھسی - دوسری مرتبہ ایک کتا اندر گھس آیا - اور بمشکل ماما نے اسکو نکالا -

نو بجنے والے تھے - جھاڑ کی زرد روشنی میں اس وقت ہر ایک شے اس کمرے کی اوداس معلوم ہوتی تھی - آگ کی انگیٹھیوں پر کٹورے دھرے ہوئے تھے - اور دیر تک آگ پر رہنے کے باعث سی سی کر رہے تھے - ماما متحیر اور ششدر بار بار دروازے کی طرف دیکھتی تھی اور سر دھنتی تھی -

گیارہ بج گئے - اور کوئی نہ آیا - جب بارہ بج گئے - اور چاروں طرف سناٹا ہو گیا گلیوں میں کتے بھونکنے لگے - اور جنگل سے گیدڑوں کے رونے کی آواز آنے لگی تو ماما نے مرغ کباب اور پلاؤ کے قاب دسترخوان سے اٹھا لئے اور باورچی خانہ میں رکھدیئے اور آپ لحاف لے کر پڑ رہی - تمام رات ماما کو پریشان خواب آتے رہے - صبح گجر دم وہ بیدار ہو گئی - اور سیدھی نواب محمد ابراہیم کے ہاں گئی - وہاں سے معلوم ہوا کہ بڑے نواب اور محمد یوسف گانوں گئے ہوئے ہیں - صرف محمد یعقوب گھر میں ہیں - اور وہ بھی تڑکے کہیں نکل گئے ہیں - غالباً شکار کے لئے باہر گئے ہیں ؎

باب چہارم

وہ گاڑی جو پری بانو اور یعقوب کو لیکر بجلی کی سرعت کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔ نصف گھنٹہ تک مسافت طے کرنے کے بعد ایک کوٹھی کے آگے جا کھڑی ہوئی۔ یوسف کو بیمار سنکر پری بانو کے دل پر کچھ اس قسم کا صدمہ ہوا تھا کہ وہ لب بستہ گاڑی میں بیٹھی رہی اور یعقوب سے کچھ اور زیادہ حال دریافت نہ کیا۔

جب گاڑی چلتی چلتی ایک کوٹھی کے روبرو کھڑی ہو گئی تو اس نے گرداب غفلت سے سر اُٹھایا اور حیران ہو کر یعقوب سے پوچھا۔

پری بانو " یہ ہم کہاں آ گئے "۔

یعقوب " بھائی جان یہیں ہیں "۔

پری بانو " اس ویرانے میں "!

یعقوب " ڈاکٹر کا حکم "

پری بانو " معلوم ہوتا ہے۔ بہت بیمار ہیں "۔

یعقوب " چلکر دیکھ لو "

پری بانو " اللہ پاک اپنا فضل کرے "۔

یعقوب " لو اترو "

پری بانو " (گاڑی سے اتر کر) چلوں اندر "۔

یعقوب " بیشک اور آئے کس مطلب کے لئے ہیں۔

پری بانو " کون کون ہے "

یعقوب " بھائی جان ہیں۔ اماں جان ہیں اور ایک دو نوکرنیاں ہیں۔

پری بانو۔ سحر محبت میں مسحور تھی۔ یعقوب کے کہنے پر وہ فوراً پردہ اٹھا کر اسکو

میں داخل ہوئی۔ اس کے داخل ہوتے ہی یعقوب نے کوٹھی کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور قفل لگا کر کنجی جیب میں ڈال لی۔ اور پھر گاڑی میں سوار ہو کر کوچبان کو کہا کہ چلو گھر کو جلدی چلو۔

پری بانو۔ یوسف کے خیال میں کچھ ایسی از خود رفتہ تھی کہ جب وہ اس کوٹھی میں داخل ہوئی تو اُسے پیچھے پھر کر نہ دیکھا۔ اور جب یعقوب نے باہر سے دروازہ مقفل کیا تو اس کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ کوٹھی کے اندر جا کر اس کو معلوم ہوا کہ یہ مکان جس کو اس نے بھی سمجھا تھا۔ دراصل کوٹھی نہ تھی۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا جس کے راست و چپ دو وسیع کوٹھریاں سوال و جواب تھیں لیکن اندر داخل ہونے کے لئے صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ البتہ اس وسیع کمرے اور کوٹھریوں میں روشندان تھے۔ مگر بڑی بلندی پر واقع تھے چھت اس وسیع کمرے کی غیر معمولی بلندی پر تھی۔ اس لئے روشن دانوں کے دیکھنے کے لئے انسان کو پگڑی تھامنی پڑتی تھی اس وسیع کمرے کے راست و چپ جو دو کوٹھریاں تھیں ان پر روئی کے پردے پڑے تھے۔ کمرے میں چٹائی بچھی تھی۔ اور چٹائی پر دری کا فرش تھا۔ اس کمرے میں داخل ہو کر پری بانو پہلے اس کوٹھری کی طرف گئی جو جانب چپ واقع تھی۔ پردہ اٹھانے پر اس نے دیکھا کہ اس کوٹھری میں ایک مکلف پلنگ بچھا ہے۔ پلنگ کے مقابل ایک میز ہے جس پر پھولوں کے گلدستے سنہری پھولدانوں میں اور ایک کنٹر میں کوئی سرخ عرق موجود ہے۔ اس کمرے میں جب اس زلیخا کو اپنے یوسف کی شکل نظر نہ آئی تو وہ جانب دست راست گئی۔ اور اس طرف کی کوٹھری کا پردہ اٹھایا۔ پردہ اٹھانے پر معلوم ہوا کہ کوٹھری کا دروازہ اندر سے بند ہے۔

پری بانو دروازہ کھٹکھٹا کر "نواب صاحب"

آواز "کون ہے"

پری بانو "میں ہوں"

آواز:- "ہائے پری بانو کو بلاؤ"

پری بانو:- "دروازہ تو کھولو پری بانو آگئی"

آواز:- "پری بانو آگئی۔ شکر ہے۔ کھولو دروازہ"

یہ آواز پری بانو کے کان میں نا آشنا معلوم ہوئی لیکن اس نے بہت جلد دل سے اس وہم کو دور کر دیا۔ اور یقین کر لیا کہ آواز چونکہ کوٹھری کے اندر سے آرہی ہے اس لئے کانوں کو نا آشنا معلوم ہوتی ہے۔ ابھی پری بانو دل سے اس وہم کو دور ہی کر رہی تھی کہ دروازہ کوٹھری کا کھل گیا اور اس پرستان کی پری نے دیکھا کہ کوئی شخص پلنگ پر دوشالہ لئے لیٹا ہے اور سرہانے ایک عورت چوکی پر بیٹھی ہے یہ عورت ادھیڑ عمر کی تھی۔ بدن دوہرا تھا۔ ہاتھ پاؤں بڑے بڑے۔ اور چھاتی چوڑی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس عورت میں معمول سے بڑھکر زور آور قوت ہے۔ ماتھا اس عورت کا تنگ تھا۔ دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ اور رنگ گندمی تھا۔ بہرکیف یہ عورت شکل وشباہت اور ڈیل ڈول کے لحاظ سے نہایت کریہ منظر تھی۔ اور اسکو دیکھ کر پری بانو کے دل میں ایک قسم کی وحشت پیدا ہو گئی پری بانو نے بہت جلد اس عورت کی طرف سے منھہ پھیر لیا۔ اور پلنگ کے پاس جا کھڑی ہوئی پھر وہ چند سکینڈ کے بعد بولی "نواب صاحب اٹھئے میں آگئی۔ جو نہیں یہ کلمہ پری بانو کے منھہ سے نکلا۔ اس شخص نے جو چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور جسے پری بانو اپنے زعم میں یوسف سمجھی ہوئی تھی۔ دوشالہ اتار کر ایک طرف پھینک دیا۔ اور خوف زدہ پری بانو نے دیکھا کہ یوسف کی جگہ۔ ایک جوان عورت دوشالہ لئے لیٹی تھی۔ اگر پری بانو کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ضرور حواس باختہ ہو کر رونے لگتی۔ لیکن پری بانو میں بلا کا حوصلہ تھا۔ اس کے اوسان خطا نہ ہوئے۔ اور وہ سمجھ گئی کہ اس سے ضرور کوئی دھوکا ہوا ہے پری بانو۔ سوچ رہی تھی کہ دونوں عورتوں میں سے کس کی طرف مخاطب ہوں اتنے میں عورت بولی "بیٹھ جاؤ"

پری بانو:- "تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے"

"میرا نام سلطانو ہے ۔ اور یہ میری لڑکی ہے اس کا نام شہزادی ہے"

پری بانو "نواب محمد یوسف کہاں ہیں"

سلطانو "اپنے گھر ہوں گے"

پری بانو "اپنے گھر ــــ"

سلطانو "اور کیا"

پری بانو "مجھے یعقوب یہاں کیوں لایا ہے"

سلطانو "یہ اس سے پوچھنا"

پری بانو "تم یہاں کیوں بیٹھی ہو ۔ کیا تمہارا مکان ہے"

سلطانو "کتنی سادی لڑکی ہو ابھی تک نہیں سمجھی"

شہزادی "اماں بتا دو ۔ سارا حال پری بانو بیگم کو"

شہزادی کی آواز سے پری بانو کو ہمدردی کی بو آئی اور اس نے بیکسی کے عالم میں سر اٹھا کر شہزادی کی طرف دیکھا جس قدر سلطانو کریہ منظر تھی ویسی ہی اسکی بیٹی دلکش تھی ۔ شہزادی کی عمر چودہ سال کے قریب تھی موزون قد تھا ۔ خوبصورت دانت اور گندمی رنگ تھا ۔ نقش و نگار دلکش تھے ۔ اور بحالت مجموعی اس قابل تھی کہ اس کا نام خوبصورتوں کی فہرست میں درج کیا جائے جس وقت شہزادی نے ہمدردی سے یہ کہا کہ سارا حال پری بانو کو سنا دو ۔ تو پری بانو کے دل پر چھریاں چلنے لگیں ۔ اور اسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ۔ مگر بڑی ہوش والی لڑکی تھی ۔ فوراً آنسو پی گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ موقعہ ایسا ہی کہ کمزوری کا اظہار اس کو نقصان پہنچائیگا ۔

سلطانو "ہاں سن"

پری بانو "میں سنتے بھائی محمد یعقوب کا کیا لیا تھا"

سلطانو "آویگا تو پوچھنا"

پری بانو "خدا سمجھے اُس سے"

سلطانو "میں تجھ کو بتاتی ہوں اصل بات کیا ہی ۔ نواب یوسف تیرے پرشیدا ہے"

وہ جب تک تجھے نہ دیکھ لے اُس کو آرام نہیں آتا۔ اُس کے ماں باپ کو یہ بات ایک آنکھ نہیں بھاتی یعقوب ماں باپ کا مخبر ہے۔ اس نے یہ کارستانی کی ہو کہ فریب سے تجھے یہاں لے آیا ہے۔ اب دیکھئے تجھ سے کیا سلوک ہوتا ہی۔ اصل مطلب ان کا یہ ہی کہ تجھ کو یوسف کی آنکھوں سے دور رکھا جائے۔ اور جب وہ تجھ کو بھول جائے تو اس کا بیاہ حشمت آرا بیگم سے ہو جائے۔ اب سمجھی"

پری (سکتے کی حالت میں) "سمجھی"

سلطانو "صبر کیجئے"

پری بانو "تم کون ہو"

سلطانو "خدا کے بندے"

پری بانو "میرا مطلب ہی تم یہاں کیوں بیٹھی ہو"

سلطانو "پہرہ دینے کے لئے"

پری بانو "خدا کا خوف کرو۔ اور مجھ ناکردہ گناہ کو آزاد کر دو"

سلطانو "اللہ اللہ کر بچی۔ ہم نواب صاحب کے نمک پروردہ ہیں۔ ہمکو اس کام کے صلہ میں ایک معقول رقم ملی ہے ہم تجھے کیسے یہاں سے جانے دیں۔ بابچی یہ کبھی نہ ہوگا"

پری بانو "تم کو کیا دیا گیا ہے"

سلطانو "پانچسو روپے"

پری بانو "تم مجھے یہاں سے کسی طرح نکالو۔ میں تم کو پانچسو کا اسباب دیدونگی۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو"

شہزادی "اماں اس گناہ کو نکرو"

سلطانو "چل دور ہو مردار گناہ کیسا۔ ہم نے نواب صاحب کا نمک کھایا ہے اور ہماری جان بھی ان کے نام پر قربان ہے"

پری بانو "کچھ خدا کا خوف بھی کرو۔ تم نے نواب صاحب کا نمک بیشک کھایا ہے

لیکن میں نے تمہارا کچھ قصور نہیں کیا۔ کیوں مجھ ناکردہ گناہ کو سزا دی ہو"
سلطانو" یہ کیا کم قصور ہے کہ تو نے یوسف کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔
پری بانو" قسمت کسی کے اختیار میں نہیں ہے"
سلطانو" بس محبت کی سزا ہے جو تجھے مل رہی ہے"
پری بانو" پھر مجھے کب تک قید رکھوگی"
سلطانو" یوسف کے بیاہ تک"

اس فقرے نے پری بانو کے دل پر تیر کا کام کیا وہ جوش میں آکر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ بھلا دیکھیں تو مجھے کون روک سکتا ہے۔ یہ کہکر وہ اس کوٹھری سے نکل کھڑی ہوئی۔ اس کو امید تھی کہ سلطانو اس کے پیچھے دوڑے گی لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھی۔ اس نے بلند آواز سے مردوں کی طرح قہقہہ لگایا۔ اس اثنا میں پری بانو بڑے کمرے کے دروازے تک جا پہنچی لیکن جب وہ دروازے کو کھولنے لگی تو معلوم ہوا باہر سے مقفل ہے۔ اس وقت سلطانو کی ہنسی کی آواز اسکے کان میں آئی۔ اور پری بانو کا جی ڈوب گیا۔

باب پانزدھم

جب نواب صاحب نے یوسف کی گفتگو سنی تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کے نورعین کے بال بال میں پری بانو کی محبت سرایت کر چکی ہے۔ اور اگر ذرا بھی جبر کیا تو وہ ہاتھ سے ہمیشہ کیلئے جاتا رہیگا اس لئے انہوں نے اور ان کی بیگم صاحبہ نے حکمت عملی سے کام لیا اور یوسف کو خوب ہی سبز باغ دکھائے۔
نواب" ویکھو آخر ابھی صاحبزادہ ہے"

بیگم "میں تو تیرا دل دیکھتی تھی۔ پری بانو جیسی پری جمال میں کہاں نصیب ہو سکتی ہے"

یوسف "اماں جان شکر ہے کہ آپ کا دل نرم ہوا"

نواب "برخودار جلدی نہ کرو۔ جس طرح کہو گے اسی طرح کیا جاویگا"

بیگم۔ "بہت جلد تیری شادی پری بانو سے ہو جائیگی"

یوسف "آپ کل ہی فیصلہ کر دینا"

بیگم "کل ہی سہی۔ نہبت شب بخیر اب تو سو رہو"

یہ سنکر یوسف خوشی خوشی اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور چارپائی پر لیٹ گیا۔ اس وقت اس کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایک بڑا بھاری بوجھ اس کے کندھوں پر سے اتر گیا۔ چارپائی پر لیٹتے ہی اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات سما گئے کبھی وہ سوچتا تھا کہ پری بانو یہ مژدہ سنکر باغ باغ ہو جائیگی کبھی وہ اپنی آیندہ زندگی کے خیالات دوڑاتا۔ ان خیالات نے کئی گھنٹوں تک اس کی نیند اچاٹ کر دی۔

ادھر نواب صاحب کی سنئے۔ جب یوسف اپنے کمرے میں چلا گیا تو نواب صاحب کا مخبر یعقوب جو دوسرے کمرے میں چھپا بیٹھا تھا۔ مسکراتا ہوا وہاں آ گیا۔ نواب صاحب نے یعقوب کو آہستہ آہستہ چند باتیں سمجھائیں اور وہ کہیں چلا گیا۔

جس وقت یوسف کی نیند مختلف خیالات ویران کر رہے تھے۔ تو ہر نصف گھنٹے کے بعد ایک شخص یوسف کے کمرے کی طرف آتا تھا اور اسکو جاگتا دیکھکر واپس چلا جاتا تھا۔ آخر دو بجے کے قریب قدرت کی دائی نیند یوسف پر مہربان ہوئی اور وہ سو گیا۔ وہ شخص جو بار بار آتا تھا اسی وقت کا منتظر تھا۔ یوسف کو سوتا دیکھ کر فوراً اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ جیب سے ایک شیشی نکالی۔ اس نیلی شیشی میں جس پر سفید لیبل لگا ہوا تھا اور موٹے حروف میں انگریزی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا پانی جیسا کوئی عرق تھا۔ اس عرق کو اُسے سفید رومال پر اولٹا اور وہ رومال یوسف کے

ناک کے قریب لیگیا جو ہیں اس عرق کی بو یوسف کے دماغ میں داخل ہوئی اسکے تنفس میں فرق آنے لگا۔ اور اسپر بیہوشی طاری ہونے لگی۔ یہانتک کہ وہ بیہوش مطلق ہوگیا اسموقع پر اس شخص نے جو فی الحقیقت یعقوب تھا۔ نواب کو آواز دی وہ اور بیگم صاحبہ دونوں یوسف کے کمرے میں آئے۔ کہ چند منٹ کے بعد ایک بند گاڑی جسمیں دیگر گھوڑے جتے تھے پھاٹک پر آپہونچی اس بند گاڑی میں یعقوب اور نوابصاحب نے ملکر یوسف کو لٹا دیا۔ نواب صاحب اس گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اور گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ روانہ ہونے کے وقت یعقوب نے وہ شیشی قبلہ و کعبہ کو دیدی تھی۔ تاکہ راہ میں حسب ضرورت اس سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ راستہ میں جب کبھی یوسف ہوش کم ہونے لگتی تھی۔ تو نوابصاحب وہی عرق رومال پر چھڑک کر اسکو پھر سنگھا دیتے تھے اور وہ پھر دنیا ما فیہا سے بیخبر ہو جاتا تھا۔

اللہ غنی ہندوستان میں ذات کا چھلاوا کس طرح بعض کم فہم لوگوں کو چھل جاتا ہے۔ صرف اس خیال نے کہ پری بانو ایک رذیل فقیرنی کی بیٹی ہے یوسف کے ماں باپ کو اسقدر تکلیف برداشت کرنے پر مجبور کر دیا ہم ان لوگوں سے جو رعونت مجسم ہیں۔ جو اپنی اونچی ذات کی بدولت اپنے آپ کو شاخ زعفران سمجھتے ہیں۔ یہ پوچھنا چاہتے ہیں۔ کہ کیا انکے جسم میں خون کی جگہ آب حیات بہتا ہے کیا وہ سونے کے بنے ہوئے ہیں۔ اور کیا ان کا مورث اعلےٰ آدم ہیچ قوم کے شخص کے مورث اعلےٰ سے علیحدہ تھا۔

ہم اہل ہنود سے جو مسئلہ تناسخ کے پابند ہیں۔ اس وقت بحث نہیں کرتے لیکن ان لوگوں سے جو دین محمدؐ کے پیرو ہیں۔ پوچھتے ہیں۔ کہ خود تمہارے خیالات پر تمہیں لعنت کر رہی ہے۔ وہ شخص جسکو تم ہیچ سمجھتے ہو تمہاری طرح آدم کا بیٹا ہے۔ تمہاری طرح اسکو خدا نے پیدا کیا ہے۔ اور تمہاری طرح اسکو مار یگا۔ درجہ اور رتبہ داد الٰہی ہیں۔ فقیری اور محتاجی سے ہرگز کوئی رذیل نہیں ہو سکتا۔ ہمارے خیال میں وہ نادار جو صاحب کمال ہے۔ ایک خود مطلب۔ کوڑھ مغز۔ جاہل۔ نوابسے

سے بدرجہا بہتر ہے۔ کسی کو غریبی اور محتاجی کے باعث رذیل سمجھنا یا حقیر جاننا ہمارے خیال میں گناہ ہے۔ سبحان اللہ اس وقت ہمیں حافظ کا شعر یاد آگیا۔

در کوئے نیک نامی مارا گزر ندادند   گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

صرف اس لچر خیال نے کہ اگر یوسف پری بانو سے جو ایک فقیرنی کی بیٹی ہے شادی کرلیگا۔ تو ذات کو بٹہ لگ جائیگا۔ اور ہچشموں میں سبکی ہوگی۔ نواب اور انکے ہمسر کو اسقدر جلاپے سے باہر کیا کہ وہ اپنے نور بصر کو اپنے ہاتھوں سے کلوروفارم سنگھاتے ہوئے رات کے دو بجے جبکہ تمام دنیا سو رہی تھی۔ گھر سے نکلکر گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ تعجب ہے کہ اس جھوٹے دکھاوے نے انکی آنکھوں پر اسطرح پٹی باندھدی۔ کہ انکو یہ بھی خیال نہ آیا۔ کہ بیادا کلوروفارم کچھ خوفناک اثر پیدا کرے۔ اور ایسے چندے آفتاب چندے مہتاب پسر کی جان کے لالے پڑجائیں۔

نواب صاحب کے روانہ ہونے کے بعد بیگم صاحبہ کو خیال آیا کہ کہیں یہ دوائی زہریلی نہ ہو۔ اور اپنے چراغ سے باتیں کرنے لگیں۔

بیگم :۔ "بیٹا یہ عرق کیسا تھا"

یعقوب :۔ "اماں یہ ایک قسم کا زہر ہے"

بیگم :۔ "ارے زہر۔ لُٹ گئے میرا بچہ"

یعقوب :۔ "اماں مری کیوں جاتی ہو۔ بھائی جان مرنے نہیں لگے"

یعقوب کو ماں کے لاڈ نے بگاڑ دیا ہے۔ وہ پہلے درجہ کا زباندراز تھا۔ اور ماں کو جوتی کے برابر بھی نہ سمجھتا تھا ہم یہ پہلے سمجھا چکے ہیں۔ کہ وہ بڑے بھائی کی مانند تھا۔

بیگم :۔ "اور مرنے کے سر سینگ ہوتے ہیں"

یعقوب :۔ "اماں خدا جانے جس وقت عقل تقسیم ہو رہی تھی تم کہاں تھیں بیلا بتاؤ۔ کہ میں بھائی جان کا دشمن ہوں"

بیگم :۔ "نہیں"

یعقوب:۔ "تو پھر تم کیوں مری جاتی ہو"

بیگم:۔ "تو وہ بیہوش کیوں ہوا ہے"

یعقوب:۔ "اس زہر کا یہ اثر ہے کہ جو اسکو سونگھے وہ کچھ عرصہ کیلئے بیہوش اور بیخبر ہو جاتا ہے"

بیگم:۔ "تو یوں کہو"

یعقوب:۔ "یہی تو کہہ رہا ہوں۔ تمہارے سر میں تو کرسیاں بھری ہوئی ہیں"

بیگم:۔ "اب میں کیا جانوں"

یعقوب:۔ "اماں تم تو کسی دھوبی کے گھر رہتیں تو اچھا تھا"

بیگم:۔ "اللہ اللہ کرنے بچے"

یعقوب:۔ "جسوقت تم بیوقوفی کی بات کرتی ہو مجھے آگ لگ جاتی ہے"

بیگم:۔ "اب اس کلاں کار کا بھی کچھ بندوبست کرنا چاہیئے"

یعقوب:۔ "پھر وہی بات"

بیگم:۔ "ادئی تجھے تو میری بات زہر لگتی ہے"

یعقوب:۔ "تم بات جو ایسی ہی بے مغز کرتی ہو۔ تم چاہتی ہو ہتھیلی پر سرسوں جائے"

بیگم:۔ "اس پری بانو کی صورت سے بیزار ہوں"

یعقوب:۔ "جا تجھے خدا ہی چاہے۔ وہ خوبصورت تم چڑیل"

بیگم:۔ "واہ تو بڑا بدلگام ہو گیا ہے"

جسوقت یعقوب نے والدہ ماجدہ کو چڑیل کہا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ عورت کو اگر بدصورت کہا جائے۔ تو اسکو آگ لگ جاتی ہے عورت بھوک پیاس۔ تنگی ترشی۔ جبر و تعدی سب کچھ برداشت کر لیتی ہے لیکن یہ اس سے کبھی نہیں سنا جاتا کہ کوئی اسکی صورت میں کرشمے ڈالے عورت چاہے کیسی ہی بدصورت ہو۔ چاہے ایسی مکروہ شکل رکھتی ہو کہ اسکے ہاتھ سے کچا ہیر لینے کو جی نہ چاہے مگر وہ اپنے ذہن میں ضرور اپنے آپکو کچھ سمجھتی رہتی ہے۔ پس اسکو جو کہتا کہ تو بدصورت

ہے۔ گویا اسکو جلتی ہوئی آگ پر بٹھا دیتا ہے۔ واقعی اس کلمہ سے عورتوں کا آئینہ صبر و تحمل چکنا چور ہو جاتا ہے۔ اور وہ آنسوؤں کو روک نہیں سکتیں۔ اے میرے ناظرین ہم جو کہہ رہے ہیں۔ بالکل سچ ہے۔ اسلئے مناسب ہے کہ آپ کبھی اس فرقہ کا جسکے بہت سے حقوق ہمنے چھین لئے ہیں جسکی شمع عقل کو ہمنے گل کر دیا ہے دل نہ توڑیں۔ اور خواہ عورت کیسی ہی بدشکل ہو۔ یہ کبھی نہ کہیں کہ تیری صورت ڈراونی ہے اور تیری صورت دیکھکر ہمکو ڈر لگتا ہے۔ بیگم صاحبہ اپنے چراغ کی گفتگو جبرًا و قہرًا سنتی رہیں۔ لیکن جب اسنے کہا کہ تمہاری شکل چڑیلوں کی اور مزاج پریوں کا ہے۔ تو وہ رونے لگیں۔ بہت ہی گرم ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ آلے تیرا باپ مجھے یہ ذلت برداشت نہیں ہو سکتی۔ یعقوب اگرچہ والدہ کی کچھ پرواہ نکرتا تھا۔ مگر والدہ سے بہت ڈرتا تھا۔ یوسف باپ کو بہت پیارا تھا۔ اور یعقوب ماں کے بہت منہ لگا ہوا تھا۔ یہ دھمکی سنکر اور ماں کو روتا دیکھکر وہ بھی خائف ہوا اور ماں کے گلے سے چمٹ کر لاڈ کرنے لگا۔ اور باوصف اس سن و سال کے آہستہ آہستہ پیار سے ماں کے رخساروں پر طمانچے مارنے لگا۔

بابِ شانزدہم

جو ذبح کرتا ہے پر کھول دے مرے صیاد
کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی
} راقم

اے میرے پیدا کرنے والے تیری خدائی پہ میں قربان ہو جاؤں۔ تو ہر شے پر قادر ہے۔ کیسا اتفاق اور کہاں کی تدبیر۔ جو تیرے دل میں آئے تو وہی کرتا

ہمنے بار ہا دیکھا ہے کہ جسوقت مایوسی بڑے بڑے پتھر ہاتھ میں اُٹھا کر ہمیں سنگسار کر رہی ہوتی ہے۔ تو غیب سے ایسا سامان پیدا کر دیتا ہے کہ اُمید ایک ہی نگاہ میں ان پتھروں کو ردی کے گملے اور باغ جنّت کے پھول بنا دیتی ہے۔ ہاں ہمنے دیکھا ہے کہ وہ لوگ جسکو ہم اپنا عدوئے جان اور دشمن ایمان سمجھتے ہیں۔ اگر تیرا فضل شامل حال ہو تو دمِ زدن میں ہمارے دوست ہو کر ہمیں فائدہ پہنچانے کے لئے کمربستہ اور آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اے قادر مطلق ہمارے دشمن جو بات ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے کرتے ہیں۔ وہ تیرے کرم سے بسا اوقات ہمیں سود مند ثابت ہوتی ہے دشمن ہمارے حق میں کانٹے بوتے ہیں۔ اور ان کانٹوں سے سنبل و ریحان پیدا ہو جاتے رہیں اے خالق ہر گھاس جو زمین سے اُگتی ہے تیری وحدت کے ثبوت میں انگشت شہادت ہے۔ ہر کیڑا جو پتھر میں رزق کا منتظر ہے۔ بزبانِ حال گواہ اس بات کا ہے کہ تجھ جیسا رحیم کوئی اور نہیں ہے۔

شہزادی نے جسوقت پری بانو کی صورت دیکھی۔ خود بخود اُسکے دل میں اس بیکس نازنین کی محبت پیدا ہو گئی۔ اور اسنے اپنے دل سے عہد کر لیا۔ کہ جس طرح ہو سکیگا۔ وہ بندی پری بانو کی خدمت کریگی۔ رات کے دس بج چکے تھے اور ایک کوٹھری میں یہ زلیخا اپنے یوسف کی یاد میں ماہئی بے آب کی طرح چارپائی پر تڑپ رہی تھی۔ سلطانو نے ہر چند زور لگایا کہ کسی طرح وہ کچھ کھائے۔ مگر وہ کسی طرح راہ راست پر نہ آئی۔ اسلئے سلطانو دوسری کوٹھری میں چلی گئی۔ اور لیٹ رہی اسوقت پری بانو چارپائی پہ پڑی تھی۔ اور اُسکے پاس شہزادی بیٹھی ہوئی اُسکی طرف دیکھ رہی تھی۔

پری بانو کی چشم نرگسی سے آنسو جاری تھے۔ اور بار بار رومال سے پونچھ رہی تھی۔

شہزادی: "بہن اب رونا دھونا موقوف کر۔ ورنہ بیمار ہو جاؤ گی۔"

پری بانو: "بلا سے۔"

باؤلی ہوں جسکی خاطر میں زلیخا کی طرح — کیا کروں وہ یوسفِ گل پیرہن ملتا نہیں

شہزادی: "بہن تمہیں روتا دیکھکر میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے خدا کیواسطے نہ رو۔ تو میں ہاتھ جوڑتی ہوں"

پری بانو: "اور صیاد جنکا پیشہ کیسے ہوتے ہیں۔ سب

جو ذبح کرتا ہے پھر کھولدے ہے صیاد — کہ وہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی

شہزادی: "پری بانو میں تیرے صدقے میں تیری لونڈی ہوں جب سے میں نے تیری صورت دیکھی یہی دل چاہتا ہے کہ قربان ہوں۔ اگر میرے بس میں ہو۔ تو میں ابھی دروازہ کھولدوں لیکن کیا کروں۔ کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔ تو گھبرا نہیں۔ میں تیرے ساتھ ہوں"

پری بانو: "نہیں یہ تو سچ کہہ رہی ہے۔ کہ اسمیں بھی کچھ فریب ہے"

شہزادی: "قسم ہے پاک پروردگار کی۔ کوئی فریب نہیں ہے جبتک میں نے تجھے نہیں دیکھا تھا میں اپنی ماں کے حکم میں تھی۔ اب میں تیری لونڈی ہوں۔ جہاں تو جائیگی۔ میں تیرے ساتھ چلونگی"

پری بانو: "مجھے تیری باتوں سے صدق کی بو آتی ہے لیکن خفا نہ ہونا۔ تیری ماں کو دیکھکر میرا کلیجہ بلیّوں اُچھلتا ہے"

شہزادی: "یہ درست۔ اگرچہ اسنے مجھے پالا ہے۔ اور مجھے مول لیا ہے لیکن یہ میری ماں نہیں ہے"

پری بانو: "تب بھی ایسی خونخوار عورت کے پیٹ سے تیرے جیسی نیک سیرت چندے آفتاب اور چندے ماہتاب لڑکی کبھی پیدا نہیں ہو سکتی"

شہزادی: "خیر میں کس لائق ہوں لیکن یہ عورت میری ماں نہیں ہے۔ میں صرف اسلئے اسکے ساتھ ہوں کہ اسنے مجھے چودہ سال ہوئے جب میری عمر ۴ سال کی تھی ۱۰ سو روپے کو خریدا تھا۔ اور مجھے اسنے بیٹیوں کیطرح پالا ہے پس یہ حق اسکا میری گردن پر ہے۔ اور اسی لئے میں اسکو نہیں چھوڑتی"

پری بانو:۔ "تیری شادی ہو چکی ہے"
شہزادی:۔ "جب اس عورت نے مجھے مول لیا تھا۔ تو اسکا ایک بیٹا گیارہ سال کا تھا۔ اس سے اُسنے میری شادی کر دی تھی۔ لیکن شادی کے ایک سال بعد وہ لڑکا مر گیا۔ اب یہ عورت اس فکر میں ہے کہ کہیں سے کچھ لے۔ اور میرا نکاح کر دے"
پری بانو:۔ "یہ ہے کون بلا"
شہزادی:۔ "یہ بڑی کھلاں کار عورت ہے پوری حمالہ ریلونی ہے"
پری بانو:۔ "اسکا گذارہ کس طرح پر ہے"
شہزادی:۔ "اسکا خاوند پہلے نواب صاحب کی ڈیوڑھی پر نوکر تھا۔ دو سال ہوئے کہ وہ مر گیا ہے۔ اب بیگم صاحب اسکو کچھ وظیفہ دیتی ہیں"
پری بانو:۔ "تم کچھ لکھی پڑھی ہو"
شہزادی:۔ "اُردو لکھ پڑھ سکتی ہوں"
پری بانو:۔ "شکر ہے خدا نے تمکو مجھپر مہربان کیا۔ ورنہ مجھے زندگی حرام ہو چکی تھی"
شہزادی:۔ "خاطر جمع رکھو میں تمہاری مدد کرونگی لیکن میری ایک شرط ہے"
پری بانو:۔ "جو کہو مجھے منظور ہے"
شہزادی:۔ "مجھے بھی ساتھ لیچلنا۔ اب تمہارے بغیر میں نہیں رہ سکتی"
پری بانو:۔ "میں بھی تمہیں اپنی بہن سمجھتی ہوں"
ابھی ان دونوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ زنانے کا پردہ اٹھا اور یعقوب اس کوٹھری میں داخل ہوا۔ آتے ہی اُس نے اس کنٹر میں سے وہ سُرخ سُرخ عرق پیا۔ اور پھر ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا۔
یعقوب:۔ "ادھو میں تو پرستان میں آگیا"
پری بانو نے حیا سے آنکھیں نیچے کر لیں۔
شہزادی:۔ "ہمنے آپکا بڑا انتظار کیا"
پری بانو نے چاہا کہ شہزادی کو روکے مگر گستے گرم نگاہ سے اُسکی طرف دیکھا جسکے

یہ معنے تھے۔ کہ تو بیچ میں دخل نہ دے۔

یعقوب:- "آخر تمہاری محبت کھینچ ہی لائی۔ پری بانو تو آنکھ ہی نہیں ملاتیں۔

حیا تو دیکھئے آئینہ سے بھی پردہ ہے
وہ اپنے ہاتھ ہی پہلے سحر کو دیکھتے ہیں

پری بانو:- "تمہارے بھائی صاحب کہاں ہیں۔"

یعقوب:- "اب بھائی یوسف کو تم بھول جاؤ۔ انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔ اور کہا ہے کہ پری بانو سے کہدو۔ ع

بردایں دام بر مرغ دگر نہ ۔۔۔ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

پری بانو:- (زرد ہو کر) "سچ کہتے ہو۔"

یعقوب:- "مجھے جھوٹ کی عادت نہیں ہے۔ انکا تو نکاح کل بہن حشمت آرا سے ہو گا۔ انہوں نے کہا ہے کہ کہدو میں والدین کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔"

یہ سُنکر پری بانو کو یہ معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے کلیجہ خنجر سے کاٹ ڈالا۔

یعقوب:- "دیکھو پری بانو اب تم بھائی یوسف کو بھول جاؤ سُنتی ہو۔"

پری بانو:- "جی۔ اچھا۔"

چند سیکنڈ میں پری بانو کا یہ حال ہو گیا جیسے کوئی سال بھر کی بیمار ہے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ اور ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ شہزادی نے جلدی سے دوڑ کر اسکے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ اور پورے پانچ منٹ کے بعد اسکی حالت درست ہوئی۔

شہزادی:- "نواب صاحب اسطرح پر کوئی پیغام دیتا ہے۔"

یعقوب:- (شرمندہ ہو کر) "واقعی مینے جلدی کی۔"

شہزادی:- "اگر وہ مرجاتی۔ تو کیا ہوتا۔"

یعقوب:- "سُنو پری بانو اب جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اگر تم مجھے منظور کرو تو میں حاضر ہوں۔ میں بھی یوسف کا بھائی ہوں۔ لیکن ایک شرط ہے۔"

شہزادی، "یہ کیا زبردستی کر رہے ہو"!

یعقوب، "اجی بات کرنے دو"!

پری بانو، "(نہایت کراہت کیساتھ) شرط کیسی"

یعقوب، "میں تمسے شادی تو کسی صورت میں نہیں کر سکتا۔ شادی تو میری کسی اونچے گھرانے کی لڑکی سے ہوگی۔ لیکن تم دونوں کو میں حرم کے طور پر رکھ سکتا ہوں شہزادی کی والدہ نے مجھ سے یہ اقرار کر لیا ہے۔ تم کہو کیا کہتی ہو"

پری بانو، "مجھے اس عزت سے معاف رکھو"

یعقوب، "اور تم کیا کہتی ہو"

شہزادی، "میں آپکی لونڈی ہونا سعادت سمجھتی ہوں"

یعقوب، "یہ بڑی مغرور ہے۔ رسی جلگئی۔ مگر بل نہ گیا۔ یہ منہ اور مسور کی دال یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ کہ بھائی جان اس سے نکاح کر لیتے۔ اسنے تو بہت جال پھیلایا لیکن میرا نام بھی یعقوب تھا کیسا چکمہ دیا۔ اب جبتک میری بات قبول نہوگی میرے ہاتھ سے چھٹکارا نا ممکن ہے۔ سُنا آپنے"

شہزادی، "آپ جلدی نہ کیجئے۔ ابھی غم ہرا ہے۔ آپ ہی راہ راست پر آجائیگی"

یعقوب، "نہیں جلدی کس بات کی ہے"

اسوقت یعقوب اپنی طرف سے بناؤ سنگھار کر کے آیا تھا سر پر تیل ملا ہوا تھا تیل سے اسکا سیاہ چہرہ اسوقت لیمپ کی روشنی میں لوک کئے ہوئے چمڑے کی طرح چمکتا تھا۔ پان کا رنگ اسکے سطبر ہونٹوں پر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی کتا منہ سے مردار کھا کر آیا ہے۔ سبز اطلس کا کرٹ اس وقت اس نے پہنا ہوا تھا۔ سچ ہے۔ لباس بھی اسی کو سجتا ہے۔ جسکو خدا حسن دیتا ہے یعقوب اطلس کے لباس میں ہنومان معلوم ہوتا تھا۔

شہزادی، "اماں سے ملے ہو"

یعقوب، "ہاں مل آیا ہوں"

شہزادی "یہ بہن پری بانو نے کچھ نہیں کھایا۔"
یعقوب "پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ جب بھوک لگیگی۔ آپ ہی کچھ کھالیگی۔"
شہزادی "ذرا ادھر آئیے۔"

شہزادی یعقوب کو علیحدہ لیگئی۔ اور سمجھایا کہ آپ تیزی میں نہ آئیے۔ رفتہ رفتہ پری بانو رام ہوجائیگی۔ یعقوب نے شہزادی کی بات قبول کی اور میز کے سامنے بیٹھکر نصف سے زیادہ کنسٹر خالی کر گیا۔ شہزادی نے میٹھی میٹھی باتوں میں اسکو ایسا لگایا کہ کمبخت اعتدال کے درجہ سے گذر گیا۔ اور بیہوشی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ شہزادی اسی وقت کی منتظر تھی۔ اُسنے قفل کی کنجی جیب سے اس عفریت کی نکال لی۔ اور جب اس جاسوش پر خواب نے غلبہ کیا۔ تو شہزادی نے پری بانو سے کہا دیکھتی کیا ہو اللہ کا نام لو۔ اور میرے ساتھ چلو۔ پری بانو کی باچھیں کھل گئیں۔ اور وہ آدھی رات کے وقت اس زندان سے باہر نکل گئی۔

باب ہفدہم

نوابصاحب کا گاؤں ابراہیم آباد شہر لاہور سے دس میل کے فاصلہ پر تھا۔ وہاں نوابصاحب نے ایک عالیشان محل تعمیر کیا تھا۔ یہ محل بجائے خود ایک قلعہ تھا۔ اس مکان سہ پہر توایان میں یوسف قید کیا گیا۔ تیسرے دن جب نواب صاحب اسکے پاس گئے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ تین دن کے عرصہ میں یوسف کی حالت ایسی ردی ہوگئی ہے۔ کہ وہ پہچانا نہیں جاتا۔ بدو رو کے اسکی آنکھیں سوج گئی ہیں۔ رنگ ہلدی کی طرح زرد ہوگیا ہے۔ اور ضعف و نقاہت نے اسکو صاحب

فراش کر دیا ہے۔ نوابصاحب نے سُنا کہ وہ آہستہ آہستہ یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

یہ اُس سے کہدے کوئی خدارا کہ تیرا عاشق عذاب میں ہے
تجھے تو غفلت یہ ناز اتنا اجل بھی شاید کہ خواب میں ہے

نواب:۔ "یوسف کیا حال ہے"

یوسف:۔ "کوئی دم کا مہمان ہوں"

نواب:۔ "لڑکے باز آ۔ اور ہمارے خاندان کی عزت کو بٹہ نہ لگا۔ دوشالے میں کمبل کی دھجی کبھی نہیں لگ سکتی"

یوسف:۔ "آپ میری حور لقا پری بانو کو کمبل سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کو خدا کا خوف نہیں ہے"

نواب:۔ "لعنت ہے اس اولاد پر جو باپ دادا کا نام بدنام کرے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا"

یوسف:۔ "پہلے مجھے یہ بتاؤ۔ پری بانو کہاں ہے"

نواب:۔ "خبر نہیں کہاں ہے"

یوسف:۔ "مجھے لاہور جلدی لیچلو"

نواب:۔ "کیوں کسلیے"

یوسف:۔ "اسوقت میرا دل گھٹ رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کلیجے میں آگ لگی ہوئی ہے"

اُس شعلہ رو سے لو ہے برابر لگی ہوئی
اک آگ ہے کلیجہ کے اندر لگی ہوئی

نواب:۔ "یہ بہانے میں نہیں سنتا"

یوسف:۔ "ابا ایمان سے کہتا ہوں میری حالت بہت نازک ہے مجھے لاہور جلد لیچلو"

نواب:۔ "واہ رے حیلہ ساز"

نوابصاحب یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ یوسف جھوٹ کہہ رہا ہے۔ مگر در اصل وہ بالکل سچا تھا۔ نوابصاحب نے دیکھا کہ لحظہ بلحظہ اسکا اضطراب بڑھتا گیا اور انکے دیکھتے دیکھتے اسکو تے آئی۔ تے کو دیکھکر نواب صاحب کے بھی ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ کیونکہ تے میں تمام خون تھا۔ جس وقت یوسف نے نہایت زور سے استفراغ کیا تو اُس کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ اور اُسپر غشی سی طاری ہو گئی پھر تو نوابصاحب سخت گھبرائے۔ انکو یوسف نہایت عزیز تھا۔ سارا ذات کا امتیاز انکو بھول گیا۔ اور نورِ چشم کے صدقے اور قربان ہونے لگے۔

نواب:۔ "یوسف میری جان۔ آنکھیں کھول"

یوسف:۔ "(نہایت ضعیف آواز سے) خدا کے لئے مجھے لاہور لیچلو"

نواب:۔ "تو حوصلہ کر۔ میں ابھی لے چلتا ہوں"

یوسف:۔ "جلد ہی لیچلو۔ کہیں میں راہ میں نہ مر جاؤں"

نواب:۔ "بابا تو اپنی طبیعت کو سنبھال۔ جو کہیگا ہم قبول کرینگے"

یوسف:۔ "وہ خیریت سے تو ہے"

نواب:۔ "ہاں بخیریت ہے"

نوابصاحب نے فوراً یوسف کو لنڈو میں بٹھایا۔ اور شہر لاہور کا رُخ کیا۔ لنڈو میں کوئی دو ہزار کی جوڑی جتی تھی۔ کوچبان نے ذرا چابک کا اشارہ کیا۔ اور گھوڑیاں ہوا کے ساتھ باتیں کرنے لگیں۔ ایک گھنٹہ میں لنڈو شہر لاہور میں دس میل کا فاصلہ طے کرکے داخل ہوئی۔ اور نواب صاحب دست بدست یوسف کو محلسرائے میں لے گئے۔ اور کاشانی مخمل کی توشک پر لٹا دیا۔

یوسف:۔ "پہلے اُدھر آدمی بھیجو"

نواب:۔ "یعقوب کہاں ہے"

یعقوب:۔ "یہ کیا گھبراتا ہوں"

نواب:۔ "مجھے بتا دے۔ پری بانو کہاں ہے"

یوسف: "یعقوب کو کیا خبر۔ اپنے گھر میں ہوگی"

یعقوب: "قسم ہے خدائے پاک کی۔ اسکا پتہ نہیں ہے۔ خدا جانے کہاں گئی"

یوسف: "مجھے جلدی اسکے گھر لیچلو"

نواب: "اس حال میں"

یوسف: "اب میں تندرست ہوں"

یہ کہکر یوسف اُٹھ بیٹھا۔ نواب صاحب نے دیکھا کہ اُسکا چہرہ جو اسوقت تک زرد تھا سرخ ہوگیا۔ اور اسمیں غیر معمولی توانائی آگئی۔

نواب: "یوسف کیا کرتا ہے۔ میری طبیعت کمزور ہے ہم آدمی بھیجتے ہیں سواری بھیجتے ہیں ——"

یوسف: "نہیں جناب میں آپ ہی جاؤنگا۔ خدا جانے میری فرقت میں اسکا کیا حال ہوگا"

نواب: "پھر آدمی تو ساتھ لیجا"

بیگم: "کہیں راہ میں دشمن گر نہ پڑیں"

یوسف: "میرے ساتھ کوئی نہ آئے"

نواب: "جو وہ کہے کرو"

یوسف اکیلا اپنے والد کے مکان سے نکلا۔ اور خوشی خوشی پری بانو کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ اسکو امید تھی۔ کہ پری بانو اسکے فراق میں بیتاب و بیقرار ہوگی اسکو دیکھکر باغ باغ ہوجائیگی۔ اور دونوں کی مراد مدت کے انتظار کے بعد بر آئیگی اسکو یہ خبر نہ تھی۔ کہ انسان کی دلی خواہش ان کانٹوں کی کھیتی ہیں جنکو عرف عام میں دنیا کہتے ہیں۔ اور بہت کم ہوتا ہے جس بات کو انسان کا دل چاہتا ہے وہی کبھی پوری ہوتی ہے۔ وہ جس بات سے پرہیز کرے اسکی ہی طرف گھیر کر آگے کا کانٹا چبھتا ہے یوسف طرح طرح کے منصوبے دل میں سوچتا اور خیالی پلاؤ پکاتا ہوا جانان تک پہنچا لیکن مکان کو دروازے سے مقفل دیکھکر اسکی روح فنا ہوگئی فوراً ہوش پریشان

کو جو ہمسائے میں رہتے تھے۔ اور جنکا مکان پری بانو کے مکان سے دیوار بہ دیوار تھا بلایا۔

یوسف:۔ "مولوی صاحب ذرا ادھر آنا"

مولوی:۔ "حاضر ہوا جناب عالی نوابصاحب"

یوسف:۔ "یہ مکان بند کیوں ہے؟"

مولوی:۔ "کیا عرض کروں۔ عقل دنگ ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ لڑکی جو اس مکان میں رہتی تھی۔ دفعتاً غائب ہو گئی۔ گویا پرستان کی پری تھی۔ کہ اڑ گئی"

یوسف:۔ "یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ (گھبرا کر) کچھ اسکا پتہ بھی ہے"

مولوی:۔ "مطلق پتہ نہیں ہے"

یوسف:۔ "اور جو ماما اس مکان میں رہتی تھی"

مولوی:۔ "سچ تو یہ ہے کہ نمک حلال خدمتگار بھی قسمت سے ملتے ہیں"

یوسف:۔ "میں آپکا مطلب نہیں سمجھا"

مولوی:۔ "نوابصاحب وہ ماما خدمتگار کیا تھی۔ وہ تو اپنے رشتہ داروں سے بڑھکر نکلی"

یوسف:۔ "میں اب بھی نہیں سمجھا"

مولوی:۔ "پری بانو کی تلاش میں اسنے تمام شہر کی خاک چھان ماری۔ مگر افسوس اسکا کہیں پتہ نہ ملا"

یوسف:۔ "اب وہ ہے کہاں"

مولوی:۔ "عرض کرتا ہوں"

یوسف:۔ "مولوی صاحب آپ لمبی تقریر سے مجھے معاف رکھئے"

مولوی:۔ "بہت بہتر بندہ پرور"

یوسف:۔ "بندہ پرور گئے جہنم میں کچھ اسی ماما کا ہی پتہ بتلائیے"

مولوی:۔ "آپکے سر مبارک کی قسم مجھے خبر نہیں۔ وہ کہاں ہے۔ لیکن"

یوسف:۔ "لیکن کیا"

مولوی:۔ "لیکن ایسی خدمتگار بھی خدا ہر ایک کو نصیب کرے"

یوسف:۔ "وہ کیسے"

مولوی:۔ "وہ ایسے کہ جب وہ ہار کے واپس آگئی۔ اور مفقود الخبر کا کہیں پتہ نہ ملا تو بڑی دیر تک بیٹھی روتی رہی۔ دو وقت کچھ نہیں کھایا۔ آخر تمام اسباب کو کوٹھری میں مقفل کرکے اور آپ تلاش میں نکل گئی ہے۔ کہتی ہے فقیرنی بنکر دربدر مانگتی پھرونگی کلکتہ تک جاؤنگی۔ اور اپنی پری کو ضرور ملونگی۔ سبحان اللہ کیسی پر محبت نکلی اگر کوئی ایسی ویسی ہوتی۔ تو تمام اسباب لیکر کہیں رفوچکر ہوجاتی۔ نواب صاحب زمانہ نازک ہے"

یوسف کو یہ لمبی چوڑی گفتگو نہایت ناگوار گذرہی۔ اس وقت دیوانہ اور مجنون بنا ہوا تھا۔ فوراً اس نے قفل دروازے کا توڑ ڈالا اور اندر گھس گیا اندر جاکر وہ پری بانو کے کپڑے اٹھا اٹھا کر سونگھنے لگا اور سودائیوں کی طرح انکو چھاتی سے لگا کر رونے لگا۔ بڑی دیر تک وہ یہ حرکت جنونیوں کیطرح کرتا رہا۔ آخر اس نے پری بانو کے تمام کپڑے ایک گٹھری میں باندھے اور گٹھری بصورت پشتارہ پشت پہ رکھ لی۔ اور دوڑتا ہوا گھر آیا۔ نواب صاحب یوسف کو اس حال میں دیکھکر رونے لگے۔

یوسف:۔ "ابا یہ میرے پاس انکی امانت ہے"

نواب:۔ "لو بیگم لڑکا دیوانہ ہوگیا"

بیگم:۔ "ہاتھ ملکر، میرے اللہ اب کیا ہوگا"

نواب:۔ "دیکھاؤ تو سہی۔ میاں یہ کیا لائے ہو"

یوسف:۔ "یوسف کوئی دیکھ نہ لے۔ یہ ایک پردہ نشین کا لباس ہے۔ وہ میرے پاس امانت رکھ گئی ہے۔ جب آئیگی اسی کو دونگا"

یعقوب:۔ "ابا جان۔ یہ پارچات کسیطرح اس سے لے لو۔ جبتک یہ پارچات اسکے سامنے رہینگے۔ یہ جنون زائل نہ ہوگا"

بیگم:۔ "یعقوب سچ کہتا ہے"

نواب: "کہیں اور خرابی نہ ہو"

یعقوب: "نہیں آیا"

نواب: "یہ بھی کر دیکھیں۔ یہ ہمنے بیٹھے بٹھائے کیا کیا"

بیگم: "ہماری قسمت"

یعقوب نے نظر بچا کر وہ پشتارہ کپڑوں کا چھپا لیا۔

یوسف: "وہ پشتارہ کہاں گیا۔ آہ لو اب میں انکو کیا جواب دونگا"

بیگم: "ان کو کون؟"

یوسف: "وہی۔ وہ دیکھو مجھے بلاتی ہیں۔ آیا"

یہ کہا اور یوسف نے گریبان چاک کیا۔ اور بیاشارہ میں نکل گیا۔ نواب نے آدمی دوڑائے۔ مگر پاگل بھلا کب کسیکی سنتا ہے۔ وہ اسطرح دوڑا جاتا تھا جیسے کسی بڑے کامل تیرانداز کی کمان سے تیر نکلتا ہے۔

باب ہژدہم

رات کے ۱۲ بجے جس وقت چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا رات کی تاریکی سے ایک عجیب قسم کی وحشت برس رہی تھی۔ شب تار کے اندھیرے میں اونچے اونچے تناور پیڑ عفریت کو پیکر دکھائی دیتے تھے جنگل میں گیدڑوں کی دہشت خیز آواز ستم ڈھا رہی تھی۔ اور موسم زمستان کی سردمہری سے دانت سے دانت بجتا تھا۔ خورشید جبیں پری بانو اور نازنین شہزادی زندان بلا سے نکلکر توکل بخدا دونوں امین کی تلاش میں روانہ ہوئیں۔ ابھی سو گز کے قریب رستہ انھوں نے طے کیا تھا کہ ایک بھیانک آواز ان سے دوچار ہوا۔ یہ شخص

گو ایک سارجنٹ تھا۔ مگر اسوقت اپنے آپکو فرعون سمجھے ہوئے تھا۔ خدا جانے اس سیاہ وردی میں کیا تاثیر ہے۔ کہ بسا اوقات انسان نمرود بن جاتا ہے۔ اور اکثر ایسی حرکات کر بیٹھتا ہے۔ کہ جو اشرف المخلوقات کے لئے سخت باعث ننگ ہونی چاہئیں۔ یورپ کے مہذب ملکوں میں اہل پولیس کی دلجوئی۔ مہماں نوازی اور غمگساری مشہور ہے۔ لیکن اس تیرہ خاک ہند میں پولیس جو محافظ امن سمجھی جاتی ہے۔ چند کوتاہ اندیش خود مطلب اور رذیل لوگوں کی بدولت "تشدد کا اوتار" بنا گئی ہے۔ سچ ہے۔ ایک ہی مچھلی تالاب کو گندہ کر دیتی ہے۔ پولیس کے محکمہ میں خدا ترس منصف اور بے ریا لوگ بھی موجود ہیں۔ لیکن اس قسم کے بابی بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ جنکو نفس امارہ کا غلام کہنا بیجا نہیں ہے۔ جو اعلےٰ تعلیم کے فوائد سے محروم۔ جو خلق سے بے نصیب اور قابلیت سے بے بہرہ ہیں۔ ہاں اس قسم کے موجود ہیں۔ جو بظاہر پارسا بنے ہوئے ہیں۔ زمین کو سجدہ ریائی سے ناپاک کرتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت بدنصیب رعیت کیلئے جونک سے بڑھکر ہیں۔ اور جہاں چمٹ جاتے ہیں۔ تمام خون پیکر ہی چھوڑتے ہیں۔ اے ظالم پولیس والے کانوں سے روئی نکال اور سن۔ اس خدائی کا مالک دیر سے پکڑتا ہے۔ مگر سخت پکڑتا ہے۔ وہ وقت آنیوالا ہے۔ جب تو روسیاہ ہو کر داور محشر کی حضوری میں کھڑا ہوگا۔ اسوقت تجھے معلوم ہوگا۔ کہ تو نے کیا کیا کانٹے اپنے حق میں بوئے تھے۔ ہاں یاد رکھ کہ وہ روپیہ جو لوگوں کے دلوں میں ہاتھ ڈالکر نکالا جائے کبھی ہمیشہ نہیں رہتا۔ مال حرام ہمیشہ پر لگاکر اُڑ جاتا ہے۔ اور ظالم کو روسیاہی وارثین کے بغیر اور کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ جسوقت سارجنٹ نے دو بیکس عورتوں کو دیکھا۔ تو اُسکی بعینہ وہی حالت ہوئی جو عنکبوت کی اُسوقت ہوتی ہے۔ جب کوئی مکھی اس کے جال میں پھنس جاتی ہے۔ ایک ایسی آواز میں جو گدھے کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ بولا۔

سارجنٹ۔ "تم کون ہو"

شہزادی۔ "ڈرو نہیں نہیں"

پری بانو: "ہائے اب کیا کریں۔"
شہزادی: "تم چپ کھڑی رہو۔"
سارجنٹ: "حکم درہ۔"
شہزادی: "چپکی چلی چلو۔"
سارجنٹ: "کھڑی رہو بد ذات۔ خبردار جو قدم اٹھایا تو گولی مار دونگا۔"
شہزادی: "تھانہ دار صاحب کیا ہے۔ کہیں بھنگ تو نہیں پی گئے۔ پہچانتے نہیں ہو۔"

شہزادی کے اس طرح پر بولنے سے سارجنٹ کسی قدر متعجب ہوا لیکن یہ ایک ہی کایاں تھا۔ اس نے یہ سمجھا کہ کوئی ارباب نشاط ہیں۔ اور کسی متمول یار باش کی کوٹھی سے آرہی ہیں۔
سارجنٹ: "تم کون بلا ہو۔"
شہزادی: "ہم آدمی ہیں۔"
سارجنٹ: "کہاں سے آئی ہو اس وقت۔"
شہزادی: "تمہیں اس سے کیا مطلب۔"
سارجنٹ: "کہیں کھال تو نہیں کھنچوانی۔ حاکموں سے اسطرح گفتگو کرتی ہے۔"
شہزادی: "کیا ہم کوئی چور ہیں۔"
سارجنٹ: "اور نہیں تم کون ہو۔ آدھی رات کے وقت ——"
شہزادی: "ایسی خرابی ہوگی۔"
سارجنٹ: "پہلے سیدھے کوتوالی کی طرف چلو۔ صبح تمہارا چالان ہوگا۔"
شہزادی: "اور اگر ہم نہ گئے۔"
سارجنٹ: "یہ دیکھو اس لٹھ کا نام مولابخش ہے جس وقت اسکو میں نے اٹھایا تم آپ ہی چل پڑوگی۔ میری عقل یہ کہتی ہے۔ کہ یہ عورت تیری بہن نہیں ہے اسکو تو کہیں سے نکال کر اور بھگا کر لائی ہے۔ کون ہے تو؟"

پری بانو: "یہ میری بہن ہے۔"
سارجنٹ: "کوئی ضامن دو۔ اور اپنا نام لکھاؤ۔"
پری بانو: "(گھبرا کر) کسی طرح جلدی خلاصی کراؤ۔ کہیں پیچھے ہمارے وہ نامراد نہ آجائے۔ مجھے اسکا بڑا ڈر ہے۔"
شہزادی: "(آہستہ سے) بہن گھبراؤ گی تو کام بگڑ جائیگا۔"
سارجنٹ: "یہ کیا باتیں کر رہی ہیں۔"
شہزادی: "سُنئے صاحب۔"
سارجنٹ: "ہم کچھ نہیں سُنتے۔ سیدھی طرح سے کوتوالی چلو۔"
شہزادی: "چلو کوتوالی بیشک چلو۔"
جب سارجنٹ نے دیکھا کہ وہ نہیں ڈرتیں۔ تو پہلو بدل لیا۔
سارجنٹ: "تم کون ہو؟"
شہزادی: "جو ہیں سو ہیں اگر کوتوالی لیچلنا ہے چلو۔"
سارجنٹ: "چلو آگے چلو۔"
سارجنٹ ساتھ ہو لیا۔ اور یہ دونوں چپ چاپ اُس کے ساتھ ہولیں۔
تھوڑی دور جاکر شہزادی پھر بولی۔
شہزادی: "سارجنٹ صاحب یہ یاد رکھئے۔ لینے کے دینے پڑ جائینگے۔"
سارجنٹ: "اجی ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔ ہمارا نام نقدجان ہے۔"
شہزادی: "تو یہ کیوں نہیں کہتے۔"
سارجنٹ: "تمہارا قصور ہے۔ جو تم نام و نشان تک نہیں بتلاتی ہو۔"
شہزادی: "اگر تمہاری یہی مرضی ہے۔ تو سُن لو پیچھے نہ کہنا۔ کہ لو گرہی جاتی رہی ہم نواب صاحب کی کوٹھی سے آتی ہیں۔"
سارجنٹ: "کونسے نواب۔"
شہزادی: "جو اس شہر میں مجسٹریٹ ہیں۔ نواب محمد ابراہیم اور کون۔"

سارجنٹ: "تم کون ہو"

شہزادی: "ہم جو ہیں سو ہیں۔ یہ لو اور جدھر سے آئے ہو چلے جاؤ۔"

شہزادی نے جیب سے دو روپے نکال کر سارجنٹ کے ہاتھ پر دھر دیئے۔ بس پھر کیا تھا۔ کتے کو لقمہ مل گیا۔ اور وہ چلا گیا۔

پری بانو: "شکر ہے بلا ٹلی"

شہزادی: "نواب صاحب کا نام سُنکر جلدی ہی دفع ہو گیا۔ ورنہ دو روپے پر کبھی خوش نہ ہوتا۔"

پری بانو: "یہ لوگ کیسے کمینے ہوتے ہیں۔"

شہزادی: "کچھ نہ پوچھو۔ لیکن اب کچھ بندوبست کرنا چاہیئے؟"

پری بانو: "جو تم کہو"

شہزادی: "اب ہمارا اس شہر میں گذارہ نہیں ہے"

پری بانو: "پھر کیا کریں"

شہزادی: "نواب صاحب۔ بیگم صاحبہ۔ اور نواب یعقوب یہ تینوں ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔ نواب صاحب کا اس شہر میں بڑا اثر رسوخ ہے۔ کوتوال بھی اُن سے ڈرتا ہے۔ اگر کہیں کسی بدمعاش کو کچھ دینا کر کے ہم پر کوئی مقدمہ بنوا دینگے۔ تو پھر سخت مصیبت کا سامنا ہوگا۔"

پری بانو: "نہیں تم سچ کہتی ہو"

شہزادی: "جہانتک ممکن ہو سکے۔ جلد یہاں سے چلو"

پری بانو: "کچھ سوچکر، اچھا!"

شہزادی: "میں جانتی ہوں۔ تمکو یوسف کی لگن لگی ہوئی ہے۔ لیکن خدا مالک ہے۔ اگر تمہاری قسمت میں اس سے ملنا لکھا ہے تو ملاقات ہو جائیگی۔ ورنہ خیر لیکن اس شہر میں تم ایسے ایسے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ کہیں کسی آفت میں نہ پھنس جانا۔ آگے مالک ہو"

پری بانو: "نہیں نہیں میں تو تیرے ساتھ ہوں"
شہزادی: "اسوقت کسی سرائے میں یا مسجد میں گذر کرنا چاہئے۔ صبح کسی طرف نکل جائینگے"
پری بانو: "اچھا اُردو کرا دیکھئے قسمت میں کیا لکھا ہے"
شہزادی: "واقعی نوابصاحب نے ہم پر سخت ظلم کیا ہے"
پری بانو: "میری قسمت" ؎

اپنے مقسوم کا لینا ہے کسی کا کیا ہے — لوگ ہنس دیتے ہیں سُن سُن کے مصیبت میری

شہزادی: "گھبراؤ نہیں۔ خدا سب اچھی کریگا"
پری بانو: "تمنے سُنا جو یعقوب نے کہا"
شہزادی: "جھوٹا لپاٹیا ہے"
پری بانو: "مجھے اُمید نہیں۔ یوسف مجھے اتنی جلدی بھول جائے"
شہزادی: "تمہیں کیا خبر ہے۔ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے"
پری بانو: "خدا اُسکو دشمنوں سے بچائے۔ بیشک وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے ورنہ میرے بغیر اسکو ایک پل بھی قرار نہیں آتا تھا"

پری بانو کا خیال بالکل درست تھا۔ یوسف کو ایک پل بھی اس صاحب عصمت لڑکی کے بغیر قرار نہ آتا تھا۔ خداوندا یہ کیا اسرار ہے کہ آزار محبت میں انسان از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک قسم کی کیفیت طلسمی میں گرفتار ہو کر آگا پیچھا کچھ نہیں سوچتا۔ شکر ہے کہ غیب کا حال پری بانو کو معلوم نہ تھا۔ اگر اسکو یہ معلوم ہوتا کہ یوسف بھی اسکی طرح اسیر زندان ظلم ہے۔ تو اسکو سخت صدمہ ہوتا۔ اے پروردگار تیری بڑی عنایت ہے۔ تیری اس مہربانی کا ہم کسی طرح شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ کہ تو نے ہمکو غیب کے علم سے بہرہ ور نہیں کیا۔ اگر ہم غیب کا حال معلوم کر سکتے۔ تو ہمیں جینا دشوار ہو جاتا۔ اور مصیبت کی آمد آمد سے آگاہ ہو کر عیش کا زمانہ ہمیں مصیبت کے وقت سے زیادہ تر ناگوار معلوم ہوتا۔ شکر ہے کہ ہم اب سے واقف نہیں ہیں۔ کہ ہماری قسمت

میں کیا لکھا ہے۔ اور کونسے وقت ہم پر کوئی ارضی یا سماوی آفت نازل ہونے والی ہے۔

پری بانو اور شہزادی فلک سفلہ پرور کی شکایات کرتی ہوئیں بڑی دیر کے بعد شہر میں داخل ہوئیں۔ اور ایک گوشۂ عافیت دیکھکر وہاں چھپ گئیں۔

باب نوزدہم

یوسف کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ پری بانو کے فراق میں وہ بالکل دیوانہ ہو گیا۔ کسی کو اپنے پاس بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ قابلیت شناخت سے بالکل محروم ہو گیا بعض اوقات اسقدر شور و غل مچاتا تھا۔ کہ ہمسائے بیزار ہو جاتے تھے اور بعض اوقات ایسا خاموش رہتا تھا۔ کہ دو دو دن تک بولتا ہی نہ تھا۔ دن بدن بھوک سوکھتی جاتی تھی۔ دن رات میں ایک دفعہ کھاتا تھا۔ اور وہ بھی برائے نام۔ نوابصاحب امیر کبیر تھے۔ انکو کسی بات کی کمی نہ تھی۔ انہوں نے روپیہ کوڑیوں کی طرح لٹایا۔ بڑے بڑے حاذق طبیب اور نامور ڈاکٹر بلوائے۔ مگر کسی کا علاج کارگر نہ ہوا۔

میرے بالیں سے اُٹھکے طبیب تو جا نہ ستا خدا کے لئے نہ ستا
تجھے کہہ جو دیا کہ سوائے اجل میرے درد کی اور دوا ہی نہیں

جب اطبائے یونانی اور انگریزی کی پیش نہ گئی۔ تو بیگم صاحبہ نے فقرا اور مساکین سے رجوع کی یتیموں سے دُعائیں منگوائیں۔ بیوہ عورتوں کو اتنا دیا کہ وہ مالا مال ہو گئیں مسجدوں میں گھی کے چراغ جلائے۔ درگاہوں پر جا کر ننگے سر واویلا کی۔ مگر نہ تو دُعا سے نہ دوا سے کچھ فائدہ ہوا۔

ایک دن جب یوسف نے بہت شور و غل کیا۔ خدام یا داب کو مارا۔ بدن کے

کپڑے پھاڑ ڈالے۔ تو نواب صاحب کو گویا القا ہوا۔ انہوں نے پری بانو کے کپڑوں کی گٹھری یوسف کے روبرو رکھدی۔ گٹھری کو دیکھکر یوسف اس طرح ہنسا جیسے بچے کھلونے کو دیکھ خوش ہوتے ہیں۔ فوراً آگے بڑھکر اسنے گٹھری کو اٹھا لیا۔ اور کھول کر کپڑوں کو سونگھا۔ اور اُس نے شور و غل کرنا چھوڑ دیا۔ ؎

نہ دیکھی بو کسی گل میں ترے شبنم پسینہ کی
ہزاروں عطر کھنچکر شیشۂ عطار میں آئے

اس دن سے یوسف کی حالت میں اتنا فرق ہو گیا۔ کہ پھر شور و غل کرنا نوکروں کو مارنا۔ بھوکا رہنا۔ کپڑوں کو پھاڑنا چھوڑ دیا۔ وہ وقت کھانا کھانے لگا اور رات کو نیند بھی آنے لگی۔ گٹھری دیکھنے سے پہلے وہ رات کو مطلق نہ سوتا تھا۔

یوسف کا اب یہ معمول تھا کہ تمام دن گٹھری لئے بیٹھا رہتا تھا۔ بار بار ان کپڑوں کو سونگھتا تھا۔ بار بار ان کی تہ کر لیتا تھا۔ اور جھاڑتا تھا۔ اور پھر تہ کر کے گٹھری میں باندھ دیتا تھا۔

اب تو نواب صاحب کو یقین ہو گیا۔ کہ اگر اُسکا نورعین اچھا ہو سکتا ہے تو صرف ایک طرح پر۔ ورنہ کوئی صورت اُسکے شفایاب ہونیکی نہیں ہے۔ اس خیال کی اطبّا نے بھی تائید کی یعنے انکو ثابت ہو گیا۔ کہ پری بانو کی موجودگی کے بغیر یوسف کبھی اچھا نہ ہوگا۔ ایک دن نوابصاحب اور بیگم صاحبہ دونوں گھر میں بیٹھے ہوئے یوسف کی بیماری پر افسوس کر رہے تھے۔ کہ ان میں یہ گفتگو ہوئی۔

نواب:۔ "اب کیا کریں"

بیگم:۔ "بھلا میں کیا بتاؤں۔ جو سمجھ میں آئے کرو"

نواب:۔ "مجھ سے سخت غلطی ہوئی"

بیگم:۔ "ہمیں کیا خبر تھی۔ کہ ہمیں یہ مصیبت جھیلنی پڑیگی"

نواب :- شکر ہے کہ وہ اگلی بیقراری نہیں رہی "

بیگم :- ہاں جس دن سے وہ گٹھری ہمنے اسکو دی ہے۔ اُس دن سے بڑا فرق ہے "

نواب :- کیا فرق ہے "

بیگم :- لو اور سنلو۔ یہ تھوڑا فرق ہے کہ اب رات کو سو جاتا ہے۔ کھانا کھا لیتا ہے کسی کو مارتا نہیں۔ کپڑے نہیں پھاڑتا۔ شور و غل نہیں کرتا "

نواب :- ہاں یہ فائدہ تو ظہور میں آیا ہے لیکن وہ ابھی تک ہم میں سے کیسکو پہچان نہیں سکتا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکی طاقت گویائی سلب ہو گئی ہے "

بیگم :- خدا نکرے "

نواب :- تم دیکھتی نہیں۔ کہ اب وہ بالکل بات چیت نہیں کرتا "

بیگم :- ہاں یہ تو ہمنے دیکھا ہے "

نواب :- یہ آثار اچھے نہیں ہیں۔ اب اسکی زندگی کی اُمید نہیں رہی "

بیگم :- (رو کر) ہائے میں تو مر جاؤنگی "

نواب :- (آبدیدہ ہو کر) افسوس صد افسوس "

بیگم :- خدا کے لئے کچھ چارہ کرو "

نواب :- اب تم ہی بتاؤ کہ ہمنے کونسی بات باقی رکھی ہے "

بیگم :- ایک بار تمام شہر کے ڈانگٹر ڈاکٹر اپھر جمع کرو۔ اسے کہدو کہ اگر میرا بچہ کسی طرح اچھا ہو جائے تو میں اپنے پاس سے بیس ہزار روپے دونگی۔ خداوند مجھے کنگال کر دے۔ لیکن میرے بچہ کو آرام دے "

نواب :- یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں عجیب قسم کی دیوانگی ہے "

بیگم :- نوابصاحب جسطرح ہو سکے۔ کچھ انتظام کیجیے "

نواب :- میں آج ڈاکٹروں کی کمیٹی کرونگا "

بیگم صاحبہ سے رخصت ہو کر نوابصاحب مردانے میں آئے۔ اسیوقت سول سرجن کو چھٹی لکھی۔ اور ڈاکٹر موریس نصف گھنٹے میں صبا کیطرح آموجود ہوئے

ڈاکٹر موریسن سول سرجن لاہور نہایت سلیم الطبع خلیق انسان تھے۔ وہ ان انگریزوں میں سے نہ تھے۔ جو دیسی کی صورت دیکھکر بھبوت بنجاتے ہیں۔ بلکہ وہ دیسیوں کو بھی خدا کا بندہ اور انسان سمجھتے تھے۔ خدا ان انگریزوں سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ دیسی کے اُنکے کمرے میں داخل ہونے سے کمرے کی ہوا میں زہریلا اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ جو بھلے چنگے ہنستے ہوئے باہر سے آتے ہیں۔ مگر کمرے میں دیسی کو دیکھکر یکقلم اُنکی قلبِ ماہیت ہو جاتی ہے۔ ملتھے پر تیوری نمودار ہو جاتی ہے۔ منہ سوج کر کُپا ہو جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بات سخت ناگوار ان ان کے خلاف مزاج ظہور پذیر ہوئی ہے۔

ہم کہتے ہیں۔ اور ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں۔ کہ ہم لوگوں میں وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہے ہم ان کے لئے جنکو خدا نے ہمارا حاکم بنایا ہے۔ اپنی جان اور اپنا مال دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہم ان حاکموں کے لئے اپنی زندگی اپنی تندرستی قربان کرنیکو آمادہ ہیں۔ لیکن وہ انگریز جو ہم لوگوں کو حیوان سے بدتر جانتے ہیں۔ ہرگز سرکار کے سمجھدار ملازم نہیں ہیں وہ دلوں کو توڑتے ہیں۔ اور خرمنِ اُمید میں آگ لگاتے ہیں۔

اے حکام ذیشان ہم لوگ احسان فراموش نہیں ہیں۔ جب تم ہمپر مہربانی کرتے ہو۔ تو ہم دل و جان سے تمہارے عاشق ہو جاتے ہیں۔ تمہاری خاطر جلسے کرتے ہیں تمہارے نام پر تمغے اور وظیفے قائم کرتے ہیں۔ تمہارے بُت ولایت سے منگا کر شہروں میں نصب کرتے ہیں۔ تمہاری یادگاریں لاکھوں روپے صرف کرکے بناتے ہیں۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ کج ادائی اور نفرت سے زیادہ مطابعت ہوتی ہے۔ تو یہ سراسر تمہاری نادانی ہے۔ وہ مکان محبت جسکی بنیاد اخلاص اور مروت اور خوش خلقی پر ہے ہمیشہ قائم رہیگا۔ انقلاب زمانہ کی تند ہوائیں اس سے سر ٹکرائینگی۔ مگر اُسکو کسیطرح کا گزند نہیں پہنچیگا۔ لیکن وہ مکان جسکی بنیاد جبر یا دباؤ پہ ہے کبھی استوار پا نہیں ہو سکتا جسقدر کہ اوّل الذکر مکان۔ ملائمت اور پیار سے وحشی جانور رام ہو جاتے ہیں۔ ہم تو بھر انسان ہیں۔ ڈاکٹر موریسن نہایت خلیق انسان تھے۔ [illegible] نواب صاحب کے ہاں تشریف

کپڑوں کی گٹھری اُٹھالی۔ گٹھری اُٹھاتے ہی یوسف نے ایسی چیخ ماری جیسی بچے
اُس وقت مارتے ہیں۔ جب اُنسے کوئی کھلونا چھین لیا جاتا ہے چیخ مار کر وہ
نوابصاحب کیساتھ ساتھ ہولیا۔ نوابصاحب نے وہ گٹھری میز پر لاکر ڈاکٹروں کے روبرو
رکھدی۔ یوسف بھی میز کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ اور بار بار گٹھری کیطرف اسطرح دیکھتا
تھا۔ جیسے بھوکا روٹی کی طرف دیکھتا ہے۔

جب ڈاکٹروں نے جملہ واقعات سُنے۔ اور یوسف کو دیکھا تو مفصلہ ذیل رائے دی۔
ڈاکٹروں کی رائے :- ہماری رائے میں یہ ایک قسم کی دیوانگی ہے۔ اگرچہ مرض
لاعلاج نہیں ہے۔ مگر ضدی مرض ہے۔ جلدی پیچھا نہیں چھوڑیگا۔ حالت نازک ہے فیصدی
پچاس مریض اس مرض کے اچھے نہیں ہوتے۔ ہمکو اس نونہال کی جوانی پر افسوس
ہے۔ لیکن مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ علاج جاری رہے۔ دیکھا چاہئے کیا ہوتا ہے ؟

یونانی اطبا کی رائے :- قلب پر صدمہ پہنچا ہے۔ جس سے دیوانگی لاحق
ہوئی ہے۔ مرض لاعلاج نہیں ہے۔ دماغ میں سردست خشکی دوڑ گئی ہے مقویات اور
مفرح القلوب ادویات کے استعمال سے بہت جلد فائدہ ہوجائیگا اس مجلس میں ایک اسی
برس کا بڈھا طبیب بھی موجود تھا اس شخص کا نام حکیم فیض الحسن تھا۔ یہ بڑا معیاری سیاح
تھا۔ اسنے اپنی عمر کے پچاس سال سیر و سیاحت میں صرف کئے تھے چھ دفعہ یورپ کی
سیر کی تھی۔ سات دفعہ حج کیلئے بیت اللہ گیا تھا۔ دو سال پورے فلسطین کی بستیوں
میں بسر کئے تھے جسوقت ڈاکٹر اور یونانی طبیب اظہار رائے کرنے لگے تو یہ خاموش رہا۔

اور جب وہ سب چلے گئے۔ تو یہ نوابصاحب سے اس طرح پر مخاطب ہوا "
حکیم فیض الحسن :- کیوں نوابصاحب آپکی کچھ تسلی ہوئی ؟
نواب :- مطلق نہیں "
حکیم :- یہ تو آپکو پہلے بھی معلوم تھا۔ کہ مرض لاعلاج نہیں ہے "
نواب :- بجا فرمایا آپنے "
حکیم :- اگر مجھے آپ سامان ضروری مہیا کردیں۔ تو یقین کرتا ہوں۔ کہ شافی مطلق شفا دیگا

تشریف لائے۔ اور مڈیکل کالج کے پروفیسران کے نام انہوں نے اسی وقت خط
لکھدیئے۔ کہ کل دس بجے نوابصاحب کے ہاں مشورے کے لئے تشریف لائیں
ان چٹھیوں کیساتھ سو سو روپے کے نوٹ جو مشورے کی فیس تھی۔ ان پروفیسر
صاحبان کے پاس بھیجدیئے گئے۔ اس کارروائی کے بعد سول سرجن صاحب رخصت
ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد نوابصاحب نے لاہور کے نامی یونانی اطبائے
کو مدعو کیا۔

دوسرے دن جب نوابصاحب کے دیوان خانہ میں مڈیکل کالج کے پروفیسر اور
شہر کے حاذق طبیب جمع ہوئے۔ تو جوش محبت میں بیگم صاحبہ سے رہا نہ گیا
وہ فوراً پس پردہ آگئیں۔ اور چشم پرآب ہو کر سول سرجن صاحب سے کہنے لگیں۔ کہ جسطرح
ہوسکے کچھ چارہ کرنا چاہئے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ سول سرجن صاحب نہایت خلیق
اور ملنسار آدمی تھے۔ بیگم صاحبہ کی آواز سنکر سروقد کھڑے ہو گئے۔ اور پردہ کے
قریب ننگے سر جا کر دیر تک انکی تسلی کرتے رہے۔ نواب صاحب کو بیگم صاحبہ کی یہ
حرکت کسیقدر ناگوار معلوم ہوئی۔ وہ فوراً پس پردہ جا کر بیگم صاحبہ کو سمجھانے لگے کہ
ایسا نکرو۔ میری آبرو میں فرق آجائیگا۔ ابھی تک ہمارے خاندان میں کسی عورت
نے نامحرم سے بات نہیں کی۔ تمہارے جیسی عالی درجہ بیگم کو پردہ کا پورا پورا خیال
رہنا چاہئے۔ اسوقت بیگم صاحبہ بھری بیٹھی تھیں۔ تنک کر بولیں۔ کہ چولہے میں گیا
پردہ۔ جب میرا بچہ اچھا ہو جائیگا۔ تو دیکھا جائیگا۔ ہم کہہ چکے ہیں بیگم صاحبہ نواب
صاحب پر حاوی تھیں۔ نوابصاحب بیگم کو خشمناک دیکھکر بھیگی بلی کی طرح اپنی جگہ
پر آ بیٹھے۔ اور جب تک یہ کونسل ہوتی رہی۔ وہ برابر پس پردہ موجود رہیں۔ جب سب
ڈاکٹر اور حکیم جمع ہو گئے تو نوابصاحب نے واقعات اور حالات بیان کئے۔ اور انکو
یوسف کو لینے گئے۔ آگے یوسف بیٹھا ہوا کپڑے گن رہا تھا۔ نوابصاحب نے ہرچند
اسکو اپنی طرف مخاطب کیا۔ مگر اسمیں قابلیت شناخت ہی نہ تھی۔ اسنے کچھ پرواہ
نہ کی۔ نوابصاحب نے ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا۔ پھر بھی نہ اٹھا۔ ناچار نواب نادر اونے

نواب :۔ حکیم صاحب میں اور کیا چاہیئے۔ بتایئے کیا سامان درکار ہے؟"

حکیم :۔ "کوئی دوائی نہیں چاہیئے۔ کہیں سے پری بانو کا پتہ لگانا چاہیئے"

نواب :۔ "آہ بھر کے) خدا جانے وہ کہاں چلی گئی۔ حیرت ہے کہ اسکو زمین نگل گئی۔ کہ آسمان کھا گیا۔ دور دور اسکی تلاش کی گئی۔ اس شہر میں تنکا تنکا چھان مارا۔ مگر اسکا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ ؎

باد صرصر کسطرف گل کو اڑا کے لے گئی
باغ عالم میں کہیں اسکا پتہ ملتا نہیں

حکیم :۔ "اس کا ملنا ضروری ہے"

نواب :۔ "یہی تو مشکل ہے"

حکیم :۔ "اشتہار دیا آپنے"

نواب :۔ "نہیں اشتہار نہیں دیا"

حکیم :۔ "یہی غلطی ہوئی۔ ورنہ اب تک پتہ ملجاتا۔ یہ انتظام کرنا چاہیئے۔ اب اشتہار دیجئے اور انعام مقرر کیجیئے۔ میں آپکو یقین دلاتا ہوں۔ اسکے آنے سے آپکا باغ مراد سرسبز ہو جائیگا"

نواب :۔ "بہت بہتر"

حکیم :۔ "مکان بھی تبدیل کرنا چاہیئے"

نواب :۔ "جو آپ فرمایئں کیا جائے"

حکیم :۔ "شہر کے باہر ایک مکان لیجیئے۔ اور آ‌میں اسکو رکھیئے۔ اور ایک اور انتظام ہے۔ کہ یہ گھڑی اسکی نگاہوں سے کبھی دور نہو۔ یہ اسکے پاس ہر دم اور ہر وقت رہنی چاہیئے"

نواب :۔ "اسکی مرضی آپ اطمینان رکھیئے۔ گھڑی کو اس سے ایک پل کے لیئے علیحدہ نہیں کیا جائیگا۔ جب سے گھڑی ملی ہے۔ خدا کا فضل ہے۔ ورنہ اس کی حالت بگڑی جاتی تھی۔ اسطرح چیختا اور چلاتا تھا۔ کہ توبہ ہی بھلی ہے"

نواب صاحب نے اسیوقت شہر کے باہر ایک کوٹھی آراستہ کرائی اور یوسف کو اس کوٹھی میں

لیگئے۔ اسکے کھانے اور اُسکی نگرانی کا اہتمام حکیم فیض الحسن کے سپرد ہو گیا۔ اور وہ علاج معالجہ میں مشغول ہوئے۔ حکیم فیض الحسن ایک جہاندیدہ انسان تھا۔ اُسنے چاروں طرف آدمی پری بانو کی تلاش میں از سر نو دوڑا دیئے۔ اور ہندوستان کے ہر ایک اخبار میں اشتہار اس مضمون کا دیدیا کہ جو کوئی پری بانو کا پتہ دیگا۔ اسکو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا"

حکیم فیض الحسن نے ہر چند بڑی کوشش کی۔ لیکن نوابصاحب کا اطمینان نہوا انہوں نے کہا خدا جانے پری بانو زندہ ہے کہ مر گئی۔ اور اگر زندہ ہے تو خدا جانے اسنے شادی کر لی ہے کہ ابھی نہیں کی۔ اگر خدانخواستہ شادی کر چکی ہے۔ تو یوسف کے لئے گویا مر گئی۔

باب بیست

نوابصاحب کے ڈر سے پری بانو اور شہزادی غربت نصیب ہو کر اور طرح طرح کے صدمے اور صعوبتیں اُٹھا کر دو ماہ کے بعد راولپنڈی پہنچیں۔ یہ سفر ان دونوں مولقا عورتوں کیلئے عذاب سقر سے کم نہ تھا جسوقت راولپنڈی میں یہ وارد ہوئیں۔ تو پری بانو کو جو زیادہ نازک اندام تھی طاقت رفتار نے جواب دیدیا اور ضعف و نقاہت نے اس درجہ آگھیرا کہ شہزادی اسکو گود میں لیکر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ اس وقت پری بانو کی حالت دیکھکر رونا آتا تھا۔ کپڑے سخت میلے ہو گئے تھے۔ پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے تھے۔ سر کے بال جو کمر سے نیچے لٹکتے تھے۔ پریشان ہو کر اس وقت زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔ موٹی موٹی آنکھوں کے گرد حلقے نمودار تھے۔ اور شہزادی نے اسکا سر ران پر رکھا ہوا تھا۔

اسوقت دونوں نادار تھیں۔ یہ دو مہینے انہوں نے زیو بالیاں جو پری بانو

کے کانوں میں تھیں بیچکر بڑی مشکل سے کاٹے تھے ۔ اسوقت انکے پاس ایک دمڑی نہ تھی ۔ حیران تھیں ۔ کہ کیا کریں ۔ اور کہاں جائیں ۔

شہزادی نے اپنی پیاری سہیلی پری بانو کا سر اپنے زانو پر رکھا ہوا تھا ۔ اور سوچ رہی تھی ۔ کہ کیا کرے ۔ اور کہاں جائے ۔ کہ اتنے میں ایک نوجوان کسان وہاں سے گذرا ۔

شہزادی :۔ "کیوں بھائی یہاں کوئی سرائے بھی ہے ۔"

کسان :۔ "معلوم ہوتا ہے ۔ تم اس شہر میں اجنبی ہو ۔"

شہزادی :۔ "ہم مسافر ہیں ۔ بڑی دور سے آئے ہیں ۔ اور یہ میری بہن راہ میں بیمار ہو گئی ہے ۔"

کسان :۔ "یہاں سے پچاس قدم کے فاصلہ پر گل بیگم کی سرائے ہے ۔ وہاں مسافروں کو کھانا بھی ملتا ہے ۔ اور مکان بھی دیا جاتا ہے ۔ اور ہر روز شام کو گل بیگم آپ آکر مسافروں سے ملتی ہیں ۔ اور جسکو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ۔ وہ اسکو دیتی ہیں ۔ آجکل انکی سخاوت کا تمام شہر میں شہرہ ہے ۔ انہوں نے حاتم کا نام زندہ کر دیا ہے ۔"

شہزادی :۔ "بھائی خدا تیرا بھلا کرے ۔ کسی طرح ہمکو پہنچا دے ۔"

کسان :۔ "ذرا ٹھہر جاؤ ۔ میں اپنے مویشی کھیت میں باندھ آؤں ۔"

یہ کہکر وہ نوجوان کسان نظروں سے غائب ہو گیا ۔ اس کے جانے کے بعد شہزادی دیر تک اسکی طرف دیکھتی رہی ۔ اس کسان کی عمر چوبیس سال کے قریب تھی ۔ سبزہ آغاز تھا ۔ مگر اسکا سرو جیسا قد اسکی خوبصورت وضع دیکھکر یہ معلوم ہوتا تھا ۔ کہ کوئی شہزادہ کسان کا بھیس بدل کر کہیں سے آیا ہے ۔ ابھی چار منٹ نہ گذرے تھے ۔ کہ وہ کسان مویشی چھوڑ کر پھر وہاں آگیا ۔ اور پری بانو کو جسپر غشی طاری تھی اٹھا کر شہزادی کے ہمراہ سرائے میں لیگیا ۔ سرائے میں فوراً گل بیگم کے کارندوں نے انکو ایک صاف اور ستھری کوٹھری جس میں چٹائی کے فرش پر دو چار پائیاں بچھی تھیں دیدی ۔ کسان نے ایک چارپائی پر اپنی چادر بچھا دی اور اسپر پری بانو کو لٹا دیا ۔ پیشتر اسکے کہ اسکو شہزادی منع کرے ۔ وہ ایک پیالی گرم گرم

دودھ لے آیا۔ کسان نے تھوڑا سا دودھ زبردستی پری بانو کو پلایا اور اپنا کمبل اُس پر ڈال دیا۔

کسان: "معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری بہن کو سردی ——"

شہزادی: "جی ہاں سردی کا اثر ہو گیا ہے۔"

کسان: "گھبرائیے نہیں۔ ابھی آرام ہو جائیگا"

شہزادی: "یہ گل بیگم کون ہیں"

کسان: "تمہیں نہیں خبر"

شہزادی: "بھلا ہم کیا جانیں"

کسان: "گل بیگم کوئی شاہزادی ہے سنتے اب چالیس سال ہیں کسی پٹھان سے نکاح کر لیا ہے۔ اسکے خاوند کو جو کوئی نواب تھا مرے چار سال ہو گئے ہیں۔ لاکھوں روپے کی جائداد ہے۔ اب اسنے یہ سرائے بنوائی ہے۔ یہاں مسافروں سے وہ شام کو آکر ملتی ہے۔ اور انکو بہت کچھ دیتی ہے آج شام کو تمسے بھی ملیگی۔ بڑی فیاض ہے"

شہزادی: "تمنے اسکو دیکھا ہے"

کسان: "کئی بار وہ پردہ کسی سے نہیں کرتی"

شہزادی: "کیا عمر ہے"

کسان: "کوئی ہوگی چوتیس سال کی۔ اس تمہاری بہن سے اس قدر اس کی شکل ملتی ہے۔ کہ پہلے تو مجھے دھوکا ہو گیا تھا میں نے سمجھا کہیں گل بیگم نے یہ بھیس کیا ہے"

شہزادی: "تمہارا نام کیا ہے"

کسان: "میرا نام اسلم ہے"

شہزادی: "تم کیا کام کرتے ہو"

کسان: "میں زمیندار ہوں"

شہزادی: "تمہارا گھر کہاں ہے"

کسان: "میرا گھر میرا کھیت ہے۔ جہاں میں دن رات رہتا ہوں اس دنیا میں میرا

کوئی نہیں ہے۔ ماں باپ تھے وہ مر گئے۔ انکو مرے دو سال ہو گئے۔ مجھے مسافروں کی خدمت کا شوق ہے۔ جو میرے لائق کار خدمت ہو اسکے لئے موجود ہوں۔"

شہزادی :۔ "خدا تمکو سلامت رکھے۔"

کسان :۔ "اگر مرضی ہو تو میرے گھر چلئے۔ جیسا گھر ہے حاضر ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ میری شادی نہیں ہوئی۔ اور تم مجھ سے واقف نہیں ہو میرے گھر میں جانے سے تمہاری کچھ بدنامی نہو۔ مینے تم سے یہ درخواست نہیں کی۔"

شہزادی :۔ "تمہاری ہمدردی کی نہایت مشکور ہوں تمنے ہم غریبوں پر بڑا احسان کیا۔"

کسان :۔ "مینے کچھ نہیں کیا۔"

اس اثنا میں گرم دودھ کے پینے اور کمبل لیکر لیٹنے سے پری بانو کی تھکن دور ہو گئی۔ اور چونکہ عالم شباب تھا۔ وہ تکان جس سے غش آگیا تھا۔ رفع ہو گیا۔ اور وہ اٹھکر بیٹھ گئی۔

پری بانو :۔ "بھائی تمنے ہمکو مول لے لیا۔"

کسان :۔ "نہیں کیوں مجھے شرمندہ کرتی ہو۔"

پری بانو :۔ "ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولینگی۔"

کسان :۔ "سلامت رہو۔"

ابھی پری بانو اس کسان کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ کہ ایک فقیرنی بھیک مانگتی ادھر کو آنکلی۔ اور پری بانو کو چارپائی پر بیٹھا دیکھکر غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر دفعتاً چیخ مار کر اس کے قدموں سے لپٹ گئی۔ اور رو رو کر اس کے تصدق اور قربان ہونے لگی۔ اور کہنے لگی۔ "میری آنکھوں کی پتلی پری بانو بیگم تم اپنی ملکو تنہا چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھیں میں صدقے۔ میں واری یہ کیسا فقیرنی جیسا حال بنایا ہے۔ یہ دشمنوں پر کہاں سے مصیبت آپڑی۔ ہائے اللہ میرا کلیجہ نکل گیا۔"

جب ماما پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو پری بانو نے اسکو پہچانا۔ اسوقت اسکو وہ زمانہ یاد آیا۔ جب وہ اور اسکا دلدار یوسف ہر شام کو دستر خوان پر بیٹھے تھے۔ اور

یہی ماما ان کے ہاتھ دھلاتی تھی۔ اور ان کو کہانیاں سنا کر ان کا دل بہلاتی تھی۔ ماما کو پہچان کر پری بانو عالم بے اختیاری میں اس کے گلے لگ گئی۔ اور رونے لگی۔ بڑی دیر تک دونوں روتی رہیں۔ دونوں حیران تھیں کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ آخر شہزادی نے اس کو سمجھایا کہ رونے سے کیا فائدہ ناحق بیمار ہو جاؤ گی۔ خدا کی طرف نگاہ کرو۔ اس کو فضل کرتے دیر نہیں لگا کرتی شہزادی کے اصرار سے دونوں نے بمشکل اشکوں کے سیلاب عظیم کو روکا اور دونوں نے میلے کچیلے دوپٹوں سے آنکھیں پونچھیں۔ ماما کے آنے سے پری بانو کو ایک قسم کی تسلی معلوم ہونے لگی۔ اس کے دل نے اس قسم کی تقویت محسوس کی جو کسی رشتہ دار کے مدت کے بعد گھر میں واپس آنے پر خویش اور اقارب محسوس کرتے ہیں۔

ماما: "اے ہے کیا ننھا سا منہ نکل آیا ہے"

پری بانو: "ماما کچھ نہ پوچھو۔ بڑی مصیبت جھیلی ہے۔ کمبخت موت کبھی نہیں آتی۔ میں تو بلا کی سخت جان ہوں"

ماما: "اے ہے بیٹی تیرے دشمن تیرے بیری مریں"

پ: "ایسی زندگی سے مرنا ہزار درجہ بہتر ہے"

ماما: "دیکھو تو کپڑے کیسے میلے چکٹ ہو گئے ہیں۔ وہی نافرمالی قمیض ہے کیسی بدرنگ ہو گئی ہے"

پ: "تمہیں کپڑوں کی پڑی ہے یہاں زندگی سے بیزار ہوں"

ماما: "تمہارے تمام کپڑے اور زیور صندوق میں بند ہیں۔ گھر میں قفل لگا کر نکلی تھی۔ اور چابی مولوی صاحب کے سپرد کر آئی تھی۔ چلو اپنا گھر چلکر سنبھالو"

پ: "اب ہم اس شہر میں نہیں جا سکتے۔ نواب صاحب ہمارے دشمن ہیں۔ خدا نے بڑا فضل کیا۔ کہ ہم آبرو سے اس شہر سے نکل آئے"

ماما:۔ "الہی ایسے نواب پر جو غریبوں کو ستاتا ہے۔ آسمان ٹوٹ پڑے"

پ:۔ "ماما یہ نہ کہو۔ وہ میرے یوسف کا اباہے۔ جو کچھ اس نے میرے ساتھ کیا ہے۔ مینے اس کو بخشا"

ماما:۔ "یہ کون ہنو ہیں"

پ:۔ "یہ میری دین کی بہن ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں۔ تو میں دونوں جہاں سے گئی گذری ہوتی۔ موذی کے چنگل میں گرفتار ہوگئی تھی۔ انہوں نے مجھکو اس ستمگار سے چھڑایا۔ پھر بیماری میں میری بڑی خدمت کی ہے۔ میں ان کا دیا کبھی نہیں دیسکتی"

ماما:۔ "وہ کون تھا موںڈی کاٹا"

پ:۔ "جانے دو بُرا نہ کہو"

ماما:۔ "میں اس کی بوٹیاں چیلوں کو ڈالوں گی"

پ:۔ "ماما وہ یعقوب تھا۔ بڑا نالائق آدمی ہے"

ش:۔ "موذی ہے۔ آدمی کہاں سے آیا"

پ:۔ "اور اس خدا کے بندے کا خدا بھلا کرے۔ یہ بھی کوئی فرشتہ ہے حاتم طائی سے بڑھکر ہے۔ خدا اسکی مراد بر لائے"

یہ سُنکر اسلم نے شرماکر سر نیچا کرلیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ تم مجھے شرمندہ نہ کرو۔ مجھے تم اپنا ایک خادم سمجھو۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی رئیس زادی ہو۔ مگر گردش میں گرفتار ہو۔ گھبراؤ نہیں مصیبت ہمیشہ نہیں رہتی تھوڑی دیر کے بعد اسلم ان سے رخصت ہوا۔ اور شام کے وقت تین لحاف اور تین توشکیں ایک مزدور کے سر پہ اُٹھوا کر وہاں لے آیا۔ اور کہنے لگا کہ مینے ایک بیل بیچ دیا ہے۔ اور یہ آپ کے لئے لایا ہوں۔ اس ناچیز اسباب کو قبول کرو۔ یہ مہربانی دیکھکر پری بانو دل میں بہت خوش ہوئی۔

باب بست ویکم

غم۔ اے نامراد غم خدا کرے کہ تجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے تو دیوار عمر کیلئے دیمک
تو بند دق طاقت کے لئے انجک تو چہرہ زیبائی کے لئے چیچک ہے۔ اور دشمن
راحت تیری صورت سل اور دق کی کھانسی مرگھٹ کے دھوئیں۔ اور
قبرستان کی ویران قبروں میں ہم کو دکھائی دیتی ہے۔ اور ہم ڈر جاتے ہیں
او عدوئے آرام تیری آواز ہم کو مظلوم کے نالہ دل کا ریتیم کے بین اور
بیوہ کے شور وشین میں سنائی دیتی ہے۔ اور ہم کانپ جاتے ہیں۔ خدا
تیرا مکروہ چہرہ ہمیں نہ دکھلائے۔ تیری ہیبت ناک آواز ہمیں نہ سنائے اور
تیرے شر سے ہمیشہ ہمیں بچائے آمین یا الٰہی آمین۔
پری بانو اور اُس کی دمساز شہزادی کو اس سرائے میں مالک کے ساتھ
رہتے چار دن ہو گئے۔ اس عرصہ میں گو راہ کا تکان اور کسل رفع ہو گئی لیکن
دل کا کنول کسی طرح شگفتہ نہ ہوا۔ غم نامراد غم برا بہ اسکے گلے کا ہار تھا
اور یوسف کی یاد میں دن رات شمع کیطرح جلتی تھی۔ آہ یہ خورشید نگار اندر
ہی اندر گھلتی تھی۔ اور مُنہ سے کچھ نہ کہتی تھی۔ مگر اُس کی حالت زبان حال سے
یہ شعر پڑھتی تھی ۔؎

شرم سے نام نہیں لیتے کہ سُن لے نہ کوئی
دل ہی دل میں اُنہیں ہم یاد کیا کرتے ہیں

شہزادی یہ حال دیکھتی تھی۔ اور سر دھنتی تھی۔ خدا نے غیب سے اُس کے دل میں
پری بانو کی اسقدر محبت ڈالدی تھی۔ کہ وہ اس کے لیے جان دینے کو تیار

تھی۔ چار دن گذر گئے۔ اور گل بیگم سرائے میں نہ آئیں۔ ان کا معمول تھا کہ ہر روز شام کو سرائے میں آتی تھیں۔ اور جو نیا مسافر آتا تھا اُس سے ملاقات کرکے جس شئے کی اُس کو ضرورت ہوتی تھی۔ مہیا کر دیتی تھیں۔ اتفاق کی بات ہے جس دن پری بانو یہاں آئی۔ ان کی طبیعت کسی قدر ناساز ہوگئی۔ اور چار دن تک وہ سرائے میں نہ آسکیں۔ ہاں اسلم کو ان آوارہ وطن لڑکیوں کی ایسی محبت ہوگئی۔ کہ وہ اپنا کاروبار بھول گیا۔ ہر روز دو وقت آتا تھا۔ اور دو وقت بازار سے مٹھائی اور فصلی میوہ جات ہمراہ لاتا تھا۔ پری بانو اور شہزادی بھی اسلم کو دیکھکر خوش ہوتی تھیں۔ خاص کرکے پری بانو تو اس کو اپنا حقیقی بھائی سمجھتی تھی۔

پانچویں دن شام ہونے سے کچھ عرصہ پہلے پری بانو بیٹھی ہوئی یوسف کو یاد کر رہی تھی۔ اور ماما شہزادی کے سر میں کنگھی پھیر رہی تھی کہ اسلم ایک چنگیر لیکر آیا۔ اس چنگیر میں کسی اخبار کا ایک پرچہ تھا۔ اور اُس پرچہ پر کشمش۔ پستہ اور بادام رکھے ہوئے تھے۔

پری بانو: "بھائی آپ روزانہ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔"

شہزادی: "اسقدر تکلیف نہ کیا کرو۔"

اسلم: "میں اپنی پیاری بہن پری بانو بیگم کے لئے لایا ہوں۔"

ماما: "کیا ہے بھائی بہنوں کے لئے لایا ہی کرتے ہیں۔"

پری بانو: "یہ پرچہ ذرا مجھے دکھانا۔"

شہزادی: "کیا دیکھو گی کسی اخبار کا کاغذ ہے۔"

پری بانو: "دکھاؤ تو سہی۔"

شہزادی نے اخبار کا پرچہ جو کشمش اور پستہ اور باداموں کے نیچے چنگیر میں بچھا ہوا تھا۔ پری بانو کی طرف پھینکا۔ اور وہ اُٹھا کر پڑھنے لگی۔ اس کاغذ کو پڑھتے ہی پری بانو کا رنگ تو رخ متغیر ہوگیا۔ اور اسکی آنکھوں

سے آنسو جاری ہو گئے۔

شہزادی:۔ "کیوں خیر ہے؟"

ماما:۔ "اے بیٹی تم روتی کیوں ہو؟"

پ:۔ "نہیں یہ دیکھو۔ اسمیں کیا لکھا ہے"

ش:۔ "دیکھوں؟"

پ:۔ "اب کیا ہوگا"

جب شہزادی نے پری بانو کے ہاتھ سے اخبار کا کاغذ لیا۔ تو یہ عبارت اُس کی نظروں سے گذری۔

اشتہار

ایکہزار روپیہ انعام

ایک چندرے آفتاب چندرے ماہتاب لڑکی جس کا نام پری بانو ہے۔ دراز مو۔ پیوستہ ابرو۔ آہو چشم۔ نوعمر دفعتاً لاہور سے غائب ہو گئی ہے۔ اگر کوئی صاحب اُسکا پتہ دینگے۔ تو ان کو نواب محمد ابراہیم خان بہادر ایک ہزار روپیہ انعام دینگے۔

المشتہر

حکیم فیض الحسن از لاہور

اس پرچہ کی دوسری طرف یہ عبارت شہزادی نے بلند آواز سے پڑھی۔

"افسوس بلکہ ہزار افسوس کہ ہمارے شہر کے رئیس اعظم خان بہادر نواب محمد ابراہیم نجم الہند کے بڑے صاحبزادے یوسف کی طبیعت دفعتاً بگڑ گئی ہے۔ دشمنوں کو جنون ہو گیا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے۔ آسیب ہے

لیکن ڈاکٹروں کی یہ رائے ہے کہ دیوانگی کلنڈر ہے۔ اطبائے یونانی و انگریزی ہر چند کوشش کر رہے ہیں، مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ نواب صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص ان کے نور نظر کو اچھا کر دے گا بیس ہزار روپیہ انعام پائے گا۔"

شہزادی: "وہی ہیں جو کہتی تھی۔ کہ یعقوب کاذب ہے۔"

پ: "افسوس اب کیا کریں۔"

ش: "اب چلنا چاہیے۔"

کسان: "کہاں۔"

ش: "لاہور۔"

ماما: "ہاں بیوی اب چلنا چاہیے۔"

پ: "دیوانہ ہو گئی ہے۔"

ش: "یہ سب تمہاری جدائی کا اثر ہے۔ تپ فراق نے سودائی کر دیا ہے۔ فراق دشمن کو بھی نصیب نہ ہو۔"

پ: "یہی دل چاہتا ہے کہ پر لگا کر اڑ جاؤں۔"

کسان: "اب مجھے بھی ساتھ لیچلو۔ تمہارے بغیر اب میں یہاں نہیں رہ سکتا میں تمہاری ڈیوڑھی کا دربان ہو کر رہونگا۔"

پ: "تم ہمارے برادر ہو۔ جہاں ہم وہاں تم۔"

یہ سُنکر اسلم بہت خوش ہوا۔ ورنہ وہ گھبرا گیا تھا۔ کہ اب یہ چلی جائینگی رہیں اکیلا رہ جاؤنگا۔ ماما۔ اسلم۔ شہزادی اور پری بانو تجویزیں کر رہے تھے۔ کہ کس طرح لاہور کو جائیں۔ کہ ایک لینڈو جس میں عربی گھوڑے جُتے تھے۔ سرائے میں داخل ہوئی۔

اسلم: "لو گل بیگم بھی آگئیں۔"

پ: "یہ انکی فٹن ہے۔"

اسلم:۔ ”جی ہاں“

مش:۔ ”معلوم ہوتا ہے بڑی مالدار ہیں“

اسلم:۔ ”لا انتہا دولت ہے“

ماما:۔ ”کوچبان کی وردی تو دیکھو“

اسلم:۔ ”سونے میں پیلا ہو رہا ہے۔ تم نے فٹن کو دیکھا۔ ذرا غور سے دیکھو۔ کیا شاندار گاڑی ہے“

ماما:۔ ”سفید رنگ ......“

اسلم:۔ ”یہ رنگ نہیں ہے۔ غور سے دیکھو۔ ہاتھی دانت کا کام ہے“

ادھر ان میں یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ اُدھر خدام با ادب نے اس بیش بہا فٹن کا دروازہ کھولا۔ اور مہتمم سرائے نے جُھک کر فراشی سلام کیا۔ دروازہ کھلنے پر ایک خوبصورت حور نژاد عورت جس نے برقعہ اوڑھا ہوا تھا۔ اور ایک افغان صورت مرد فٹن سے برآمد ہوئے یہ گل بیگم اور ان کا شوہر ہے۔

بیگم:۔ ”وہ نئے مسافر کون سی کوٹھری میں ہیں“

مہتمم:۔ ”اُس کوٹھری میں“

بیگم:۔ ”کتنے مرد اور کتنی عورتیں ہیں“

مہتمم:۔ ”سرکار پہلے ایک کسان جس کا نام اسلم ہے۔ دو کم سن عورتوں کو لایا تھا پیچھے ایک اور عورت ان میں آملی ہے۔ یہ عورتیں اگرچہ خستہ حال ہیں۔ مگر خاندانی معلوم ہوتی ہیں۔ اسلم کو انکا مفصل حال معلوم ہو گا“

بیگم:۔ ”ہم ان کو دیکھنا چاہتے ہیں“

مہتمم:۔ ”تشریف لے چلیے“

چند سیکنڈ میں گل بیگم اور ان کا شوہر اس کوٹھری میں داخل ہوئے جہاں یہ گردش زدہ عورتیں بیٹھی تھیں۔ بیگم صاحبہ کے آنے پر اسلم کھڑے

سے باہر ہوگیا۔ اور شہزادی نے دیکھا۔ کہ دوسری پری بانو اس کوٹھری میں آگئی۔ گل بیگم کا شوہر اگرچہ ضعیف العمر نہ تھا۔ مگر بال بالکل سفید تھے۔ ہاں بال سفید تھے۔ لیکن رنگ شنگرف کی طرح سُرخ اور آنکھیں عقاب کی آنکھوں کی طرح منور تھیں۔ جس وقت پری بانو نے گل بیگم کے شوہر کو دیکھا۔ تو ٹھٹکی ہوگئی۔ اور عالم بے اختیاری میں آکر مُنہ سے چیخ نکلی۔ گل بیگم کے شوہر کو اُس نے پہچان لیا۔ یہ وہی قلندر تھا۔ جو مائی امیری کے پاس آیا کرتا تھا۔ اور جس نے مائی امیری کو سمجھایا تھا۔ کہ پری بانو کو یوسف سے ملنے نہ دو۔ ابھی تک بیگم صاحب کے شوہر نے پری بانو کو نہ دیکھا تھا۔ وہ شہزادی اور راما کی طرف مخاطب تھا۔ لیکن جب اُس نے پری بانو کی چیخ سُنی۔ تو اسکی طرف متوجہ ہوا۔ اور اسکو دیکھکر وہ دم بخود رہ گیا۔ پھر معاً اُس نے شہزادی سے پوچھا۔ کہ اس لڑکی کا کیا نام ہے شہزادی نے کہا۔ اس کو پری بانو کہتے ہیں۔ یہ نام سُنکر اس افغان نے ایسا نعرہ مارا کہ تمام کمرہ گونج اُٹھا۔ اور اس نے گل بیگم کو مخاطب کرکے کہا۔ بیگم کیا دیکھتی ہو۔ یہ تمہاری بدنصیب بیٹی ہے۔ ہم جیتے ہیں۔ اور یہ اس طرح دربدر ہو رہی ہے۔ یہ کہکر اُس نے پری بانو کو سینے سے لگالیا اور ڈاڑھیں مار کر بچوں کی طرح رو دیا۔

〰〰〰〰〰〰

باب بست دوم

راولپنڈی کے ایک سر بفلک کشیدہ مکان میں دو عورتیں زرنگار مسند پہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک کی عمر چونتیس سال کی تھی۔ اور دوسری اُس سے سولہ سال چھوٹی تھی۔ کم سے کم ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پندرہ سولہ سال چھوٹی ہے۔ لیکن دونوں کی شکل و شباہت میں اس قدر مشابہت تھی۔ کہ بادی النظر میں دونوں ماں بیٹیاں یا حقیقی بہن معلوم ہوتی تھیں۔ بڑی نے کیمخواب کی بیش بہا شلوار اور زعفرانی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ چھوٹی کی شلوار سبز کاشانی مخمل کی تھی۔ جس پہ ہیرے لگے ہوئے تھے۔ اور تمام لباس بھی سبز رنگ کا تھا۔ بڑی گل بیگم اور چھوٹی پری بانو تھی

گل بیگم: میرا قصہ بہت مختصر ہے۔ نواب ثریا جاہ جو اب میرا شوہر ہے۔ تیرا باپ اور میرے حقیقی چچا کا بیٹا ہے۔ عمر میں مجھ سے دس سال بڑا ہے۔ چھوٹی سی عمر میں ہم دونوں میں کمال محبت ہو گئی۔ ایک دوسرے کو دیکھکر جیتے تھے۔ ہمارا یہ خیال تھا۔ کہ والدین ہماری شادی کر دینگے لیکن ہمارا خیال غلط نکلا۔ میرے والد خورشید خاں اور ثریا جاہ کے والد آسمان جاہ میں سخت دشمنی جائداد پہ ہو گئی۔ خدا کی شان حقیقی بھائی ایک دوسرے کے عدوئے جان بن گئے۔ اور ہم دونوں کی نسبت فسخ ہو گئی ہم سے رہا نہ گیا۔ ہم مخفی طور پہ ملنے لگے۔ اور تو پیدا ہوئی ابھی تو کمسن تھی کہ میرے والد نے میری شادی ایک نواب زادے سے کر دی میں نے ثریا جاہ کے آگے ہاتھ جوڑے۔ اور سینہ پہ ہاتھ رکھا کہا کہ مجھ کو کہیں

چھوڑ آئے - اور آپ کچھ عرصے کے لئے کہیں چلا جائے - اس بات سے اُسکو
سخت صدمہ ہوا - وہ تجھکو لیکر کہیں چلا گیا - اور فقیر ہو گیا - چودہ سال تک
پھر مینے اُس کی صورت نہیں دیکھی - اس اثنا میں میرے خاوند نے
انتقال کیا - اور وہ پھر آ گیا - پرانی محبت جو کچھ عرصہ تک سرد ہو گئی تھی
پھر بھڑک اُٹھی - اور ہم دونوں نے نکاح کر لیا - اب ہمیں کچھ فکر نہ تھا - نواب
آسمان جاہ اور نواب خورشید جاہ دونوں مر چکے تھے - پھر تیری
تلاش ہم نے بہت کی - مگر تو نہ ملی - آخر شکر ہے کہ خدا نے تجھے ہم کو ملا دیا -
مینے وہ حرکت کی ہے - جو دُنیا میں کوئی ماں نہیں کرتی - خدا جانے
اُس وقت مجھے کیا ہو گیا تھا - بیٹی خدا کے واسطے میرا قصور معاف کر"
یہ کہا - اور گل بیگم نے اپنا سر پری بانو کے قدموں پر رکھدیا -
پری بانو :- "(سر اُٹھا کر) اماں مجھے گنہگار نہ کرو - تمہارا قصور نہیں ہے
میری قسمت میں دربدر اور خاک بسر ہونا لکھا تھا - قسمت کا لکھا
کسی صورت مٹ نہیں سکتا - ع

تدبیر سے قسمت کی بُرائی نہیں جاتی
لکھی ہوئی تقدیر مٹائی نہیں جاتی

بیگم :- "تو میرا قصور معاف کر دے"
پ :- "تم میری ماں ہو - میری ادب کی جگہ ہو"
بیگم :- "جب تک تو مجھے معاف نہیں کریگی - مجھے چین نہیں آئیگا"
پ :- "خدا تمہیں اگر تم سے کوئی قصور کیا ہے تو معاف کر دے"
بیگم :- "میں نے تمام قصہ شہزادی کی زبانی سُن لیا ہے - اور وہ بیجا غیلد
بھی دیکھا ہے - اب میں تجھے لیکر لاہور چلتی ہوں"
یہ کلمہ شکر پری بانو شرما گئی - اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو
جاری ہو گئے -

پ :- اماں جان شہزادی بیگم نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا ہے۔ جو حقیقی نہیں کرتیں۔ میری یہ صلاح ہے۔ کہ اس کی شادی اسلم کے ساتھ ہو جائے۔ اسلم اگرچہ غریب ہے۔ لیکن مفلسی کا علاج ہو سکتا ہے۔ اور ایسا شریف، خوش صورت، خوش سیرت خاوند قسمت سے ملتا ہے ؟

بیگم :- تیرا ابا اور میں بہت مالدار ہیں۔ ہمیں لاکھوں روپے سالانہ کی آمدنی ہے۔ ہم اسلم کو غنی کر دینگے۔ خدا کی مہربانی چاہیئے۔ میرا ابھی یہی ارادہ ہے کہ اسلم اور شہزادی کی شادی ہو جائے۔ ایک شہزادی پر کیا موقوف ہے اس ماما سے بھی ایسا سلوک کیا جائیگا۔ کہ وہ خوش ہو جائیگی ؟

پ :- آپکی مہربانی ؟

ابھی ماں بیٹیوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ نواب ثریا جاہ بھی وہاں آگئے۔ اور دونوں کے مقابل بیٹھ گئے۔

ثریا جاہ :- (چشم پُر آب ہو کر) بیٹی پری بانو میں بھی تجھ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ میرے سفید بالوں کی طرف دیکھ۔ اور میرا قصور معاف کر۔ یہ بال تیرے ہی غم میں قبل از وقت سفید ہو گئے۔ ہاں سچ ہے۔ جو برتاؤ میں نے تجھ سے کیا دُنیا میں کوئی نہیں کرتا۔ کوئی اپنی بیٹی کو اس طرح غیر کے حوالے نہیں کر دیتا۔ لیکن یہ ضرورت سب کچھ کراتی ہے۔ آہ اگر ضرورت نہ ہو تو کوئی کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ آہ اگر ضرورت نہ ہو تو کبھی صاحب جوہر رذیل کے سامنے بندۂ مطلب بنکر کھڑا نہ ہو۔ جب ہم نے دیکھا کہ ہمارے والدین سے سخت دشمنی ہو گئی ہے۔ اور گل بیگم کے والد نے بلا سوچے سمجھے ایک دن میں اُسکا نکاح غیر سے کر دیا۔ تو تیری ماں کو جسکی محبت میں میں بارہ سال فقیر بنکر بادیہ پیمائی کرتا رہا۔ اور جسکی محبت نے صرف مجھے زندہ رکھا۔ بدنامی سے بچانے کے لئے تجھ کو میں لے گیا۔ اور فقیرنی کے سپرد کر آیا۔ اس وقت میرے سر پہ جن سوار تھا۔ جو کچھ میں نے کیا جوش

تیاری کرو۔ ایک گھنٹہ کے بعد ہم سب لاہور جائیں گے۔ دیکھئے خدا کیا کرتا ہے۔ کاش اب ہی خدا ہمارے قصور معاف کرے۔ اور ہم کو ساحل مراد دکھائے"

یہ کہکر نواب ثریا جاہ رومال سے آنکھیں صاف کرتا وہاں سے چلا گیا۔

باب بست وسوم

شہر لاہور کے باہر ایک وسیع کوٹھی میں یوسف حسب معمول بیٹھا ہوا اپنی محبوبہ کے پارچات گٹھری میں جھاڑ جھاڑ کر باندھ رہا تھا کہ پردہ اٹھا۔ اور ایک غیرت حور انا البرق کہتی ہوئی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ یہ پری بانو تھی۔ اور وہی سبز کاشانی مخمل کا الماس نگار لباس زیب تن تھا۔ پری بانو پاس آکھڑی ہوئی مگر یوسف اپنے کام میں ایسا مشغول تھا کہ اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اور مطلق متوجہ نہوا۔ پری بانو تو چند سیکنڈ تک چپکی کھڑی رہی۔ پھر اس نے آگے بڑھکر اپنا ہاتھ یوسف کی پشت پر رکھا۔ ہاتھ کے جسم سے لگتے ہی یوسف اس طرح چونکا۔ جیسے اس نے بجلی کی تار کو چھو دیا۔ اور غور سے پری بانو کے چہرہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت اس کی صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیسے کوئی بات بھول گئی ہے۔ اور وہ اس کو یاد کر رہا ہے۔ چند منٹ تک غور سے پری بانو کا منہ دیکھکر اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اور پھر کپڑوں میں مشغول ہو گیا۔

جنوں میں کیا۔ پس اے میری بیٹی تو مجھے معاف کر۔ میں کوشش کرونگا۔ کہ تیرے دل سے یہ صدمہ جو تجھے پہنچا ہے۔ محو ہو جائے ؎

پری بانو: ”والد بزرگوار آپ افسوس نہ کیجئے۔ جو قسّام ازل نے قسمت میں لکھدیا ہے۔ وہ ضرور دیکھنے میں آتا ہے ؎

ثریا جاہ: ”مگر میں تیرے حال سے کبھی غافل نہ تھا۔ تیری محبت ہر وقت میرے دل میں تھی۔ کئی بار میں لاہور گیا۔ اور تجھے دیکھا۔ مگر تجھے دیکھکر میرے کلیجہ میں آگ لگ جاتی تھی۔ اس لئے میں بہت کم جاتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے تجھے نواب یوسف کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا۔ اور میں گھبرا گیا میں نے بھانپ لیا۔ کہ تم دونوں کی آپس میں محبت ہو گئی ہے۔ لیکن یوسف کا باپ کبھی یہ رشتہ منظور نہیں کریگا۔ آج کل ایک جھوٹی وضع داری کی ایسی ہوا چلی ہے۔ کہ لوگ موجودہ حالت اور سیرت اور خصلت اور قابلیت کو مطلق نہیں دیکھتے۔ اور ذات پر جان دیتے ہیں۔ انصاری ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ اسکی بیٹی چاہے نان شبینہ کو محتاج رہے۔ چاہے خاوند کی بدچلنی سے ہر وقت جلتی رہے۔ لیکن سید سے بیاہی جائے ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر شریف زادیاں اچھے خاوند سے محض اسلئے محروم رہ جاتی ہیں۔ کہ ان کے والدین ذات کا کلمہ پڑھتے رہتے ہیں۔ لڑکا چاہے ایم۔ اے اور اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہو۔ لیکن شیخ یا پٹھان اگر وہ ارائیں ہے۔ تو کبھی اپنی بیٹی اس کو نہ دے گا۔ اس خیال سے میں نے تمہاری نانی مائی امیری کو کہا کہ تمہارا ملنا جلنا بند کیا جائے۔ مجھے یاد ہے کہ یہ بات تم کو بہت بُری معلوم ہوئی۔ لیکن تمہاری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ امیری کی اور میری پیش نہ چلی۔ اور محبت نے تمکو یہ دن دکھایا۔ اِدھر تم نے دربدر ہو کر مصیبت اٹھائی۔ اِدھر یوسف دیوانہ ہو گیا۔ خیر جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب گذشتہ باتوں کو بھول جاؤ۔ اور

یوسف کے بے طرح چونکنے پر پری بانو نے اپنا ہاتھ اُسکے بدن پر سے ہٹا لیا تھا۔ اب پھر دوبارہ اُسنے اُس کے بدن پر ہاتھ رکھدیا اور پاس بیٹھ گئی۔ پھر یوسف کی وہی حالت ہوئی۔ جیسے بجلی کی تار کو ہاتھ لگا دیا۔ لیکن اب کے پری بانو نے ہاتھ ہٹایا۔ اور آہستہ سے بولی "پیارے یوسف" ان الفاظ میں خدا جانے کیا برقی طاقت تھی۔ کہ پری بانو کی آواز سُنکر پاگل کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پری بانو نے یوسف کے آنسو اپنے ریشمی رومال سے صاف کئے۔ اور اس کو گلے سے لگا لیا۔ اور بڑی دیر تک گلے سے لگا کر بیٹھی رہی۔ اس صاحب حیا لڑکی کے جسم کی خوشبو اور اظہار محبت سے یوسف کو نیند آ گئی۔ اور وہ سو گیا۔

حکیم فیض الحسن کا حکم تھا۔ کہ خبردار کوئی اس کمرے میں نہ جائے اور نہ کسی قسم کی آواز ہو۔ اس لئے تمام اہل خاندان اور گرد کے کمروں میں دم بخود بیٹھے ہوئے قدرت حق کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ایک گھنٹہ کامل یوسف سویا رہا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جو اُس نے آنکھ کھولی۔ تو بڑی ناتوان آواز میں بولا "آہ پری بانو" گذشتہ سہ ماہ کے عرصہ میں یہ پہلا کلمہ تھا۔ جو یوسف کی زبان سے نکلا۔ اپنے نور نظر کو پھر بولتا سُنکر نواب محمد ابراہیم اور بیگم صاحبہ کی باچھیں کھل گئیں۔ دونوں نے اسی وقت سجدہ شکر یہ ادا کیا۔ اور چاہا کہ اس کمرہ میں جائیں۔ لیکن حکیم فیض الحسن نے گرم ہو کر روکا۔ اور کہا کہ خبردار پھر بیمار ہو جائیگا۔ یہ سُنکر نوابصاحب اور بیگم نے بدقت اپنے آپکو روکا۔

پری بانو "میرے پیارے یوسف تیری زلیخا آ گئی"

یوسف "(بڑی دیر کے بعد الفاظ جوڑ جوڑ کر) اب۔ تو۔ نہیں جاؤ گی؟"

پری بانو: "اب کبھی نہیں جاؤنگی"

یوسف: "شکر ہے ـــــ خدا ـــــ کا"

پری بانو: "اب تم زیادہ نہ بولو۔ ورنہ پھر بیمار ہو جاؤگے"

یوسف: "سوچ سمجھ کر رہا ہوں"

آٹھ دن تک۔ پری بانو اس کوٹھی میں یوسف کو لئے بیٹھی رہی۔ اور ایک لحظہ کے لئے بھی اُس سے جُدا نہ ہوئی۔ جس وقت وہ سوجاتا تھا۔ وہ اُٹھکر کھانا کھاتی۔ اور ضروریات سے فارغ ہوتی تھی۔ ورنہ دن رات پاس بیٹھی رہتی تھی۔ یوسف کا یہ حال تھا کہ کھانا پری بانو کے ہاتھ سے کھاتا تھا۔ دوائی اس کے ہاتھ سے پیتا تھا۔ اور اس کے زانو پر سر رکھکر سوتا تھا۔ دن بدن اس کی حالت بدلتی گئی۔ اور آٹھ دن کے بعد وہ لوگوں کو پہچاننے اور باتیں کرنے کے قابل ہو گیا۔ پندرھویں دن یوسف چلنے پھرنے لگا۔ اکیسویں دن حکیم فیض الحسن کے فرمانے کے بموجب اُسنے غسل صحت کیا۔ اور والد اور والدہ سے ملاقات کی۔

نواب: "حکیم صاحب ہم آپکے بہت مشکور ہیں"

حکیم: "بھلا نوابصاحب میںنے کیا کیا ہے"

نواب: "آپنے کوشش فرمائی ہے"

حکیم: "یہ غلط ہے۔ اسکو تائید ایزدی سمجھو۔ اگر خدا پری بانو کو نہ بھیجدیتا تو صاحبزادہ بلند اقبال کی زندگی میں کلام تھا"

نواب: "اللہ نے ہم پر رحم کیا"

حکیم: "شکر ہے خدا کا وہ بڑا قادر کریم ہے"

ناظرین تا کجا طول دیا جائے۔ یوسف کی صحت یابی کے بعد لاہور میں تین شادیاں اس دھوم دھام سے ہوئیں کہ لاہور کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہینگی۔

پہلی شادی نواب یوسف اور پری بانو کی تھی۔ نواب ثریا جاہ اور گل بیگم نے تین لاکھ روپے کی جائداد اپنی پیاری بیٹی کو جہیز میں دی۔ آٹھ دن تک اس شادی کا جشن ہوتا رہا۔ اور جشن فریدوں اور نوروز جم کا نام لوگوں کو یاد نہ رہا۔ چونکہ نواب ثریا جاہ کی اور کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے یہ قرار پایا کہ ایک ماہ نواب یوسف اور اس کی دُلہن راولپنڈی اور ایک ماہ لاہور میں رہا کریں۔ اس شرط کو نواب محمد ابراہیم خان بہادر نجم الہند نے بخوشی منظور کر لیا۔

دوسری شادی خان اسلم خان اور شہزادی بیگم کی تھی شہزادی بیگم کو یوسف نے اپنی دین کی بہن بنا لیا۔ پری بانو کی ساس شہزادی کی والدہ بنی اور گل بیگم نے اسلم کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس شادی میں نواب محمد ابراہیم نے چالیس ہزار کا جہیز شاہزادی کو دیا۔ اور نواب ثریا جاہ نے پچاس ہزار روپے کی جائداد اسلم کے نام ہبہ کر دی سبحان اللہ جب خدا دینے میں آتا ہے۔ تو اس طرح دیتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ نیت صاف رکھے۔ اور اپنی طرف سے ابنائے جنس کی خدمت کرنے کی کوشش کرے۔ جن لوگوں کی نیت صاف ہے۔ اُن کا بیڑا پار ہے۔

تیسری شادی نواب یعقوب اور حشمت آرا بیگم کی تھی۔ یہ شادی بھی کچھ کم دھوم دھام سے نہ ہوئی۔ حشمت آرا بیگم اگرچہ حسین تھی۔ لیکن اُس کا حسن و جمال پری بانو کی خوبروئی کے آگے ایسا تھا۔ جیسے مہر درخشاں کے آگے چراغ۔

پری بانو کی ماما کو جو پری بانو کی تلاش میں فقیرنی ہو گئی تھی۔ نواب ثریا جاہ نے کچھ روپیہ دینا چاہا۔ مگر اسنے رد کر کہا۔ کہ میری محبت کی قیمت روپے سے نہیں پڑ سکتی۔ میرا دل نہ توڑو۔ مجھے روپیہ نہیں چاہئے۔ میں دُنیا میں تنہا ہوں۔ میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ میری یہی مُراد ہے

کہ جب تک جیتی ہوں پری بانو کے دم کے ساتھ رہوں جب مر جاؤں گی مجھے گاڑ توپ دینا۔

محمد یعقوب کا یہ حال تھا کہ شرم کے مارے پری بانو کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ مگر دادری دانشمند پری بانو اس نے گذشتہ معاملہ کا ذکر اپنے خاوند سے بھی نہ کیا اور شہزادی کو بھی سمجھا دیا کہ اس معاملہ میں جو حصہ یعقوب نے لیا ہے اس کو مخفی رکھنا مناسب ہے کہیں دونوں بھائیوں میں ناچاقی نہ ہو جائے۔

ایکدن کا ذکر ہے کہ پری بانو بیگم اپنے شیش محل میں بیٹھی ہوئیں اخبار پڑھ رہی تھی۔ کہ ایک تھیلی ہاتھ میں لئے ہوئے نواب یوسف وہاں آئے۔

پری بانو "یہ کیسا میلا کپڑا تمہارے ہاتھ میں ہے؟"

یوسف "تمہارے دکھانے کو لایا ہوں"

پری بانو۔ "یہ کیا کرتے ہو۔ پھینکو اس ناپاک کپڑے کو"

یوسف "دیکھو تو سہی"

پری بانو "دیکھو تو سہی! کیا دیکھوں اس میں"

یوسف "جس اصطبل میں ہماری نانی۔ مائی امیری رہتی تھی۔ تم کو یاد ہو گا"

پری بانو "واہ کبھی بھول سکتا ہے"

یوسف "وہ کوٹھری جس میں مائی امیری رہتی تھیں یکایک گر پڑی"

پری بانو "ہاں پرانی کوٹھری تھی گرنا ہی تھا"

یوسف۔ ملبہ مزدور اٹھا رہے تھے زمین کھودتے کھودتے یہ کپڑا نکلا ہے دیکھو اس میں کیا ہے"

یہ کہکر یوسف نے اس گٹھڑی کو کھولا اور پری بانو حیران ہوئی کیونکہ اس میں اشرفیاں تھیں اور ایک پرزہ کاغذ کا اشرفیوں کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔ اس کاغذ پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

"بیٹی پری بانو یہ تیری امانت ہے۔ خدا تجھکو نصیب کرے۔ جس وقت تیرا باپ تجھے چھوڑ گیا تھا تیرے ساتھ یہ اشرفیاں بھی رکھ گیا تھا مجھے ان کے سنبھالنے میں بڑی تکلیف ہوئی ہے انہوں نے میرا سونا حرام کر دیا تھا۔ شکر ہے کہ میں نے تیری امانت کو نہیں چھیڑا۔ خدا ہم سب کو ایمان دے"۔

جس وقت پری بانو نے یہ کاغذ پڑھا تو اس کو امیری اور اسکی محبت یاد آگئی اور وہ آبدیدہ ہوئی اتنے میں نواب ثریا جاہ جو اتفاق سے لاہور میں تھے وہاں آگئے۔ اور انہوں نے بھی اشرفیاں دیکھیں اور امیری کی ایمانداری کی داد دی۔

اسلم اور شہزادی عاشق و معشوق کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ خداوند تعالےٰ ان کو دنیا کے صدموں سے بچائے۔

یعقوب کی خصلت جیسی ہے ناظرین اس سے آگاہ ہیں حشمت آرا کو یہ عادتیں سخت ناگوار گذرتی ہیں۔ مگر شریف زادی ہے اندر ہی اندر جلتی ہے اور گذارہ کرتی ہے بیچاری ہماری نظم کا جو ہم نے تعلیم خوان پر لکھی ہے اکثر یہ بند پڑھا کرتی ہے ... ؎

کچھ ان کے سر کو بار اسیری بھی کم نہ تھا: کیا کم تھا والدین سے کرنا ہمیں جدا
کیوں ان کی شمع عقل کو گل تم نے کر دیا: لگ جائے گا نہیں کسی بیکس کا کوسنا
کہتا ہوں صاف صاف یہ تم کو خدا لگی
مر جاؤ گے جوان اگر بد دعا لگی

ناظرین! ہمارا قصہ تمام ہو۔ لو خدا حافظ دعا کیجیے کہ جس طرح خدا نے یوسف کی سنی اور اس کی دلی مراد کو پورا کیا۔ خاکسار احمد حسین کی بھی تمنا بر آئے اور اس کو بھی کام دل حاصل ہو۔ الٰہی آمین

تمام شد